قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

ادارۂ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۲۱ | محرم الحرام ۱۴۲۳ھ - مارچ ۲۰۰۲ء | شمارہ ۳

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴- فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱-داؤد منزل متصل شاہ بخری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زرتعاون : 100 روپے

قیمت فی شمارہ : 10 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

معلمِ قرآن وعربی زبان، جناب عطاء الرحمٰن ثاقب کی المناک شہادت

وطنِ عزیز پاکستان ایک بار پھر دہشت گردی کے خوفناک سیلاب کی زد میں ہے۔ گزشتہ اتوار اسلام آباد کے حساس ترین علاقے میں واقع چرچ میں دن دیہاڑے مراسم عبادت کے لئے موجود افراد پر دن دیہاڑے دستی بموں سے حملے کے واقعہ نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا تھا جس میں متعدد قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع ہوا اور بہت سے شدید زخمی ہوئے۔ ابھی اس خوفناک سانحے کے باعث ملک گیر سطح پر پھیلنے والے اضطراب وتشویش کی گرد بیٹھنے نہ پائی تھی کہ کل بروز منگل صبح سات بجے لاہور میں پیش آنے والے دہشت گردی کے ایک تازہ واقعے نے پورے ملک کو بالعموم اور مذہبی طبقے کو بالخصوص شدید طور پر مضطرب اور بے چین کر دیا ہے۔ تفصیل اس اجمالی کی یہ ہے کہ جناب عطاء الرحمٰن ثاقب صاحب کا جو اپنی انتھک محنت اور صلاحیت کے بل پر شہر لاہور میں عوامی سطح پر سہل انداز میں عربی زبان کی تعلیم وتدریس کی پہچان اور سلیس انداز میں قرآن فہمی کی مساعی کی علامت بن چکے تھے اور اب اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی تھے، لاہور کے قلب پرانی انارکلی کے قریب واقع درس گاہ میں عربی کلاس کی تدریس کے لئے پہنچے تو دروازہ پر موجود پہلے سے منتظر دو نامعلوم افراد نے ان پر فائر کھول دیا۔ محترم ثاقب صاحب کے ساتھ ساتھ اس وحشیانہ فائرنگ کی زد میں آ کر ان کی گاڑی کا ڈرائیور بھی مرتبۂ شہادت سے ہمکنار ہوا۔ بعد ازاں انہی سفاک دہشت گردوں کے ہاتھوں ایک اور قیمتی جان بھی ضائع ہوئی جن کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ شخص کسی امام بارگاہ کا متولی تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

واقعہ یہ ہے کہ جناب عطاء الرحمٰن ثاقب صاحب جیسے جواں ہمت وجواں سال خادم قرآن و عربی زبان کی شہادت ایک بہت بڑا قومی سانحہ ہے۔ جناب ثاقب شہید نے لاہور میں بطور معلم و مدرس عربی زبان اپنے کیریئر کا آغاز قریباً دس سال قبل مرکزی انجمن خدام القرآن کے قائم کردہ قرآن کالج سے کیا تھا۔ یہ ان کی شخصی عظمت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ برملا اس امر کا اعتراف کرتے تھے کہ عربی زبان کی تدریس کا یہ سہل اور آسان فہم انداز انہوں نے قرآن کالج ہی سے حاصل کیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسے ایک تحریک کی شکل دے کر اپنی اخروی کمائی میں بے پناہ اضافے کا موجب بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو شرف قبول عطا فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)..... اس امکان کے باوصف کہ یہ واقعہ کسی ذاتی دشمنی کا نتیجہ ہو، اس بات کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا کہ یہ سانحہ ملک وقوم کے خلاف کسی نہایت گہری سازش کا شاخسانہ ہو۔ قرآن حکیم

(باقی ٹائٹل کے اندرونی صفحہ ۳ پر)

درس ۲۲

سیرت طیبہ میں
صبر و مصابرت کے مختلف ادوار
سورۃ الکہف کی آیات ۲۷ تا ۲۹ کی روشنی میں

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتٰبِ رَبِّکَ ط لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ج وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ۝ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ ج تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰىہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ ق فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ج اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِھِمْ سُرَادِقُھَا ط وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُھْلِ یَشْوِی الْوُجُوْہَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝﴾ ..... صدق اللّٰہ العظیم

ہمارا آج کا درس اگرچہ صبر اور مصابرت فی سبیل اللہ کے نقطۂ نگاہ سے نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ایک خاص دور اور آپؐ کی سیرتِ مطہرہ کے ایک اہم باب کے مطالعے سے متعلق ہے تاہم اس کے لئے سورۃ الکہف کی یہ تین آیات (۲۷ تا ۲۹) عنوان کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

'' اور تلاوت کرتے رہو (اس کلام کی) جو کہ وحی کیا گیا ہے تمہاری جانب تمہارے پروردگار کی کتاب میں سے۔ اُس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں۔ اور تم اس کے سوا اپنے لئے کوئی اور پناہ گاہ نہ پا سکو گے۔ اور روکے رکھو اپنے

آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے ربّ کو صبح و شام' جو اس کی رضا جوئی ہی کے خواہاں ہیں' اور تمہاری آنکھیں ان سے متجاوز نہ ہوں' دُنیوی زندگی کی زینت کی طلب میں۔ اور مت کہنا مانو اس کا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو پیروی کر رہا ہے اپنی خواہش نفس کی اور اس کا معاملہ حدود سے تجاوز پر مبنی ہے۔ اور کہہ دو کہ یہ سراسر حق ہے تمہارے ربّ کی جانب سے' تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ہم نے تیار کی ہے ان ظالموں کے لئے ایک بڑی آگ' اس کی قناتیں انہیں اپنے گھیرے میں لیں گی۔ اور اگر یہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو کھولتے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا' جو جھلس کر رکھ دے گا ان کے چہروں کو۔ بہت ہی بری ہوگی وہ پینے کی چیز اور بہت ہی برا ہوگا وہ انجام جس سے وہ دوچار ہوں گے۔''

یہ بات سابقہ درس میں واضح کی جا چکی ہے' اور ویسے بھی اس منتخب نصاب کے بحیثیتِ مجموعی مطالعے سے یہ بات بالکل مبرہن ہو چکی ہے کہ قرآن مجید کی دعوت ایک انقلابی دعوت ہے ـــــــ دعوتِ ایمان یعنی اللہ' آخرت اور رسالت پر ایمان کی بنیاد پر ایک بھرپور انقلابی دعوت۔ بقول حالی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی!

پھر اس دعوت کی بنیاد پر ایک مضبوط جماعت کی تشکیل اور اس کی تربیت' پھر ماحول سے تصادم کا معاملہ' پھر اس تصادم کا مختلف ادوار سے گزر کر اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے بالفعل نفاذ و قیام پر منتج ہونا' یہ ہے خلاصہ اور لب لباب اس عملی جدوجہد کا جس کا نقشہ ہمیں سیرتِ طیبہ میں نظر آتا ہے اور جس کے خطوط ہمیں آیاتِ قرآنی میں ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محض دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے یہ معاملہ نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ مجرد دعوت و تبلیغ کے کام میں یا بدھ مت کے بھکشوؤں کے مانند صرف اخلاقی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں وہ مراحل نہیں آیا کرتے جو کسی انقلابی دعوت میں آتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا اٹھان آغاز ہی سے ایک انقلابی

دعوت کا تھا۔ یہ بات اس سے قبل عرض کی جا چکی ہے کہ اس کے خلاف پہلا ردعمل اس وقت کے ماحول کی جانب سے استہزا اور تمسخر کی شکل میں ہوا' چٹکیوں میں بات کو اڑانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلی تلقین جو آنحضور ﷺ کو کی گئی وہ یہی تھی کہ اے نبی! جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر آپ صبر کیجئے' اسے جھیلئے اور ثابت قدم رہئے:

﴿ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ ﴾ (المزمل: ۱۰)

سابقہ درس میں یہ بات بھی بیان ہوئی تھی کہ اگرچہ حضور ﷺ کی دعوت کا رخ اس وقت کی سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات کی طرف تھا لیکن ابتداءً جن لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور نوجوانوں کے طبقے سے تھی۔ چنانچہ اس معاشرے میں تشدد اور ایذا (Persecution) کا اوّلین ہدف یہی دو طبقات بنے۔ تشدد اور ایذا رسانی کا یہ معاملہ سن چار تا چھ نبوی کے دوران اپنی پوری انتہا کو پہنچا اور اسی کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت ملی۔ ہجرتِ حبشہ سے وقتی طور پر حالات میں بہتری پیدا ہوئی جیسے کہ کسی بوائلر سے اگر بھاپ خارج ہو جائے تو اس کی اندر کی ہلچل میں سکون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ بہت سے مسلمان ہجرت کر گئے لہٰذا کشمکش اور تصادم کی وہ فضا وقتی طور پر کچھ ٹھنڈی پڑی اور مختلف گھرانوں میں اہل ایمان پر تشدد کا جو معاملہ جاری تھا اس کی شدت میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اب ساری مخالفت مرتکز ہو گئی خود محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر!

آنحضور ﷺ کی شخصی مخالفت

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ وہ معاملہ بہرحال نہ ہو سکتا تھا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا یا جو حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ اور آلِ یاسر رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آیا۔ یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ جس وقت آلِ یاسر (رضی اللہ عنہم) پر ابوجہل دست درازیاں کرتا اور انہیں تشدد کا نشانہ بناتا

تھا' حضور ﷺ کا اگر ان کے سامنے سے گزر ہوتا تو آپ انہیں صبر اور استقامت کی تلقین فرماتے۔ گویا صبر کا وہ حکم جو آنحضور ﷺ کو اللہ کی جانب سے پیہم مل رہا تھا آپؐ اسی کو ان الفاظ میں آلِ یاسر (رضی اللہ عنہم) کی جانب منتقل فرما دیتے تھے کہ: اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ ''کہ اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو اور اطمینان رکھو کہ تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے''۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ اس طرح کے جسمانی تشدد کا کوئی معاملہ شخصاً محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کی وجہ بھی سمجھ لیجئے! دیکھئے اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی کامل ہے اور قدرت بھی۔ وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ ہے۔ وہ جو کرنا چاہتا ہے اس کے لئے مناسب حالات پیدا فرماتا ہے۔ جس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت حضور ﷺ کے ظاہری غنا اور خوشحالی کا سبب بن گئی ﴿وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغْنٰی﴾ کہ مکّے کی متمول ترین خاتون آپؐ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور انہوں نے اپنا سب کچھ آپؐ کے قدموں میں ڈال دیا' اسی طرح حکمتِ خداوندی نے مکّے کی اس قبائلی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کو ایک اور اعتبار سے بھی تحفظ عطا فرمایا تھا۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ سیرتِ مطہرہ کا یہ ایک اہم پہلو ہے کہ حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی زندگی میں پورے قبیلۂ قریش میں بنو ہاشم کو ایک فیصلہ کن اہمیت اور حیثیت حاصل تھی۔ بنو ہاشم کی سرداری کا منصب عبدالمطلب کو حاصل تھا جو بے پناہ شخصی وجاہت کے حامل تھے۔ ان کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کے تایا زبیر جانشین بنے اور بنی ہاشم کے سردار قرار پائے۔ اکثر لوگ اس بات سے لاعلم ہیں کہ دادا کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کی کفالت اصلاً آپ کے تایا زبیر نے کی۔ وہ بھی اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے اس حیثیت کے مالک تھے کہ انہوں نے بنو ہاشم کی سیادت کو برقرار رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد بنو ہاشم میں شخصی وجاہت اور ذاتی حیثیت کے اعتبار سے کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا کہ جو قریش میں بنو ہاشم کی سیادت کا سکہ منوا لیتا۔ بہرحال وہ سیادت جیسی کچھ بھی تھی' ابوطالب کے ہاتھ آئی۔ ابوطالب اگرچہ نبی اکرم ﷺ پر مرتے دم

تک ایمان نہیں لائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حضور ﷺ کی محبت انتہائی درجے میں جاگزیں کر دی تھی، جس کی وجہ سے خاندان بنی ہاشم کا تعاون یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کی جانب سے ایک حمایت، جو اس قبائلی معاشرے میں بڑی اہمیت کی حامل تھی، نبی اکرم ﷺ کو حاصل رہی۔ چنانچہ مشرکینِ مکّہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کے خلاف اس طرح کا معاملہ کرنا ممکن نہ تھا جس طرح کہ حضرت بلالؓ، یا حضرت خبابؓ یا آلِ یاسرؓ کے ساتھ ہوا۔ اکا دکا واقعات ضرور ملتے ہیں، مثلاً ایک مرتبہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل کچھ فاصلے پر موجود تھا، اس نے اپنے ہم نشینوں سے یہ بات کہی کہ ہے کوئی شخص جو اِن کی خبر لے! عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اس نے ایک چادر کو بل دے کر اسے ایک پھندے کی شکل میں حضور ﷺ کے گلے میں ڈالا اور اس کے دونوں سروں کو اس طرح کھینچا کہ حضور ﷺ کی آنکھیں ابل آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے۔ انہوں نے فرمایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ ''بدبختو! کیا تم ایک شخص کو صرف اس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے!'' لوگوں نے حضور ﷺ کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیٹنا شروع کیا۔ اتنا مارا کہ یہ سمجھ کر چھوڑا کہ اب یہ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور معاملہ بھی پیش آیا۔ حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل نے اسی عقبہ بن ابی معیط کو اشارہ کیا اور وہ ایک اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی اٹھا کر لایا اور جب حضور ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے وہ اوجھڑی آپؐ کی گردن پر رکھ دی۔ اس طرح کی ایذا رسانی اور اس نوع کے معاملات اکا دکا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ صبح آپ ﷺ گھر سے نکلتے تو ابولہب اور اس کی بیوی آپؐ کے دروازے کے سامنے کانٹے بچھا دیتے تھے، یا یہ کہ آپؐ کسی گلی سے گزر رہے ہیں اور کسی نے اوپر سے راکھ یا خاک آپؐ کے سر پر ڈال دی۔

ایک نیا جال

اس قسم کے بعض واقعات تو یقیناً ہوئے لیکن ہجرتِ حبشہ کے بعد ان میں ایک نئی

کیفیت کا اضافہ ہوا۔ اور وہ یہ کہ جب لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ بات کسی طریقے سے بھی رک نہیں رہی' ہمارے تشدد کے نتیجے میں کوئی ایک شخص بھی اس نئے دین سے واپس نہیں لوٹا' تو انہوں نے ایک کام تو یہ کیا کہ لالچ کا پھندا پھینکا۔ ابوطالب کے پاس آئے کہ اگر تمہارا بھتیجا بادشاہی چاہتا ہے تو ہم اسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں' اگر اسے کچھ دولت کی خواہش ہے تو ہم اس کے قدموں میں دولت کا انبار لگا دیں گے' اگر اسے کسی جگہ نکاح کرنا ہو تو اشارہ کرے' عرب کے جس گھرانے میں وہ چاہے ہم شادی کرا دیں گے۔ ہم اس کا ہر مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن کسی طریقے سے تم اس دعوت سے اسے روکو۔ ابوطالب نے حضور ﷺ کو بلایا' ساری بات سامنے رکھی۔ حضور ﷺ کی عزیمت دیکھئے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آ سکتا۔

ابوطالب پر قریش کا دباؤ

لالچ (temptation) کے پھندے سے بھی جب آپ ﷺ صاف بچ نکلے تو پھر ابوطالب کو دھمکی دی گئی کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے' اب یا تو تم اپنے بھتیجے کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ یا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو' ہم نپٹ لیں گے' لیکن اگر تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ تم حسب سابق خاندانی سطح پر محمد (ﷺ) کی پشت پناہی اور حمایت برقرار رکھو گے تو پھر ٹھیک ہے' کھلے میدان میں آؤ' اب بنی ہاشم کا اور قریش کے بقیہ گھرانوں کا کھلا تصادم ہو گا۔ ابوطالب نے گھبرا کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ بات بھی رکھی اور ساتھ ہی یہ کہا کہ بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔ گویا ابوطالب کی ہمت بھی جواب دیتی نظر آئی' محسوس ہو رہا تھا کہ قریش کی طرف سے اس متحدہ چیلنج کو قبول کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ شدتِ تاثر سے حضور ﷺ کی آنکھیں نم ہو گئیں کہ یہ ایک دُنیوی سہارا جو اب تک حاصل تھا' شاید یہ بھی اب ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ لیکن نہایت پُر عزم لہجے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم' یا تو مَیں اس کام میں اب

ہلاک ہو جاؤں گا اور یا اللہ اس کام کو پورا کرے گا' اس سے قدم پیچھے ہٹانے کا کوئی سوال نہیں! اللہ نے اس موقع پر ابو طالب کو بھی ہمت عطا فرمائی' انہوں نے کہا کہ پھر ٹھیک ہے' بھتیجے میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔

شعبِ بنی ہاشم

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کی جانب سے اب نبی اکرم ﷺ اور بنی ہاشم کے خلاف ایک متفقہ اقدام ہوا جس کے نتیجے میں یہ طے کیا گیا کہ بنی ہاشم سے کامل مقاطعہ کیا جائے۔ کوئی خرید و فروخت' کوئی لین دین اب ان کے ساتھ نہ کیا جائے اور ہر نوع کا تعلق منقطع کر لیا جائے۔ یہ ایک نوع کا Socio-economic بائیکاٹ تھا جس نے تین سال کی ایک قید کی شکل اختیار کی۔ سن سات نبوی سے شروع ہو کر سن دس نبوی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ایک گھاٹی میں جسے شعب بنی ہاشم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' یہ خاندان بنو ہاشم محصور و مقید تھا۔ مکمل ناکہ بندی تھی' کوئی چیز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی' کوئی لین دین ممکن نہیں تھا۔ کچھ نیک دل لوگ کہیں رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپا کر کبھی کبھار کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے تھے ورنہ یہ کہ پورا پہرا موجود تھا۔ یہ ہے سخت ترین قید کی وہ کیفیت کہ جس کے دوران ایسا وقت بھی آیا کہ اس ''وادیٔ غیر ذی زرع'' میں جو جھاڑیاں وغیرہ تھیں ان کے پتے چٹ کر لئے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنی ہاشم کے بلبلاتے بچوں کو اس کے سوا اور کچھ میسر نہیں تھا کہ سوکھے چمڑے ابال کر ان کا پانی ان کے حلق میں ٹپکا دیا جائے۔ بہر حال نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ خاندانِ بنی ہاشم نے اس سختی کو جھیلا اور برداشت کیا۔ یہ اسی صبر و مصابرت کا معاملہ تھا کہ مقابلے میں ہاتھ نہیں اٹھائے جا رہے' لیکن اپنے موقف پر اسی طرح ڈٹے ہوئے ہیں کہ ایک انچ پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال نہیں۔

کچھ صلح پسند اور نیک دل لوگوں کی مداخلت سے سن دس (نبوی) میں یہ مقاطعہ ختم ہو جاتا ہے۔ اخلاقی طور پر کفار کو اس معاملے میں شکست ہوئی' اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے موقف میں کوئی نرمی اور کوئی لچک پیدا نہیں کی' آپ ﷺ

نے اور آپؐ کے خاندان نے ہر سختی کو جھیلا اور تکلیف کو برداشت کیا۔ بالآخر یہ مقاطعہ ختم ہوا۔

شخصی ابتلاء کا نقطۂ عروج: یوم طائف

لوگوں کی طرف سے ڈالی ہوئی آزمائش کا سلسلہ کچھ کم ہوا تو اللہ کی طرف سے ایک براہ راست آزمائش بھی آپ کی منتظر تھی۔ اس پہلو سے گویا شخصاً نبی اکرم ﷺ کے لئے آزمائش کا معاملہ نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ سن دس نبوی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا بھی انتقال ہو جاتا ہے اور ابو طالب کا بھی۔ گھر میں دلجوئی کرنے والی رفیقۂ حیات تھی، وہ بھی نہ رہی اور خاندانی اعتبار سے سہارا دینے والا ایک پشت پناہ تھا، ابو طالب، وہ بھی رخصت ہوا۔ سرداران قریش کے حوصلے یکدم بلند ہو گئے۔ مشورے ہونے لگے کہ اب وقت ہے کہ آخری فیصلہ کر ڈالا جائے، آخری اقدام اب کر دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ اس صورتِ حال کو دیکھ کر مکّے سے مایوس ہو کر طائف کا سفر کرتے ہیں۔ عام راستہ آپؐ نے اختیار نہیں کیا، اندیشہ تھا کہ آپؐ کی جان لینے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ ایک نہایت دشوار گزار راستہ اختیار کیا۔ صرف ایک غلام، حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ طائف پہنچ کر آپؐ نے وہاں کے جو تین بڑے سردار تھے، ان تینوں سے ملاقات کی، لیکن ہر طرف سے انتہائی دل کو توڑ دینے والا جواب سننے کو ملا۔ سب نے استہزا، تمسخر اور مذاق کا نشانہ بنایا۔ ایک نے نہایت تمسخر آمیز لہجے میں کہا (معاذ اللہ، نقلِ کفر کفر نباشد) کہ میں تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا، اگر تم جھوٹے ہو تو منہ لگانے کے قابل نہیں اور اگر سچے ہو تو ہو سکتا ہے میں کہیں توہین کر بیٹھوں اور اللہ کے نبی کی توہین میرے لئے وبالِ جان بن جائے، لہٰذا آپ تشریف لے جایئے! کسی نے کہا کہ کیا اللہ کو آپ کے سوا کوئی نہیں ملا تھا نبوت اور رسالت کے لئے؟ اسی طرح کے دل توڑ دینے والے اور جگر چھلنی کر دینے والے جواب سن کر نبی اکرم ﷺ لوٹنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ وہ لوگ کچھ اوباش لوگوں کو اشارہ کرتے ہیں کہ ذرا ان کی خبر لو۔ پھر وہ نقشہ جمتا ہے جس کو بیان کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی

ہے۔ طائف کی گلیاں ہیں' اللہ کا رسولؐ ہے اور بعینہٖ وہی نقشہ ہے جو ہماری آبادیوں میں کبھی کبھار دیکھنے میں آتا ہے کہ جیسے کوئی دیوانہ شخص ہو اور اوباش چھوکرے چاروں طرف سے اسے کنکریاں مار رہے ہوں' ہنسی مذاق ہو رہا ہو' فقرے چست کئے جا رہے ہوں۔ طائف کی گلیوں میں محمد رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے جا رہے ہیں' خاص طور پر ٹخنوں کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے جس کے تصور ہی سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے' جسمِ مبارک لہولہان ہو گیا ہے' خون بہہ رہا ہے اور نعلین میں آ کر جم گیا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نقاہت کی وجہ سے آپؐ بیٹھ جاتے ہیں تو غنڈے آگے بڑھتے ہیں' ایک داہنی بغل میں ہاتھ ڈالتا ہے دوسرا بائیں میں' اٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں کہ چلو!! طائف کی گلیوں میں کیا کچھ نہیں ہوا حضور ﷺ کے ساتھ!.... گویا ؎

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار

کئی برس بعد مدنی دور میں ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ کیا آپ (ﷺ) پر یومِ اُحد سے زیادہ سخت بھی کوئی دن گزرا ہے؟ اس لئے کہ ان کی ہوش میں حیاتِ طیبہ کا سخت ترین دن یومِ اُحد تھا جس میں آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے' زیادہ خون بہہ جانے کے باعث ضعف و نقاہت سے آپ ﷺ پر بے ہوشی بھی طاری ہوئی' آپؐ کے انتہائی قریبی عزیز اور جان نثار ساتھیوں کی لاشیں آپؐ کی نگاہوں کے سامنے آئیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی حوالے سے آپؐ سے سوال کیا تھا کہ اس سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آپؐ پر گزرا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں' طائف کا دن مجھ پر اس سے کہیں زیادہ بھاری تھا۔ اُحد کے دامن میں تو وہ جان نثار بھی آپؐ کے ساتھ تھے جنہوں نے آپؐ کی حفاظت کے لئے جسموں کو ڈھال بنایا ہوا تھا۔ طائف میں سوائے ایک غلام کے اور کوئی آپؐ کے ساتھ نہیں تھا۔ گویا آپؐ بالکل یکہ و تنہا تھے اور طائف کی گلیوں میں نقشہ وہ جما جس کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا ہے۔ چنانچہ طائف سے واپسی پر ایک جگہ

آپ ﷺ آرام کے خیال سے ذرا بیٹھے تو اس وقت آپ کی زبان پر جو دعا آئی اس نے یقیناً عرش کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ ((اَللّٰھُمَّ اِلَیکَ اَشکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِی عَلَی النَّاسِ)) ''اے اللہ! تیری ہی جناب میں شکوہ لے کر آیا ہوں اپنی قوت کی کمی کا' اپنے وسائل و ذرائع کی قلت کا اور اس اہانت و رسوائی کا جو لوگوں کے سامنے ہوئی۔'' ((اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ)) ''اے پروردگار! تُو نے مجھے کس کے حوالے کر رکھا ہے''۔ ((اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَ اَمْرِیْ)) ''کیا میرا معاملہ دشمن کے حوالے کر دیا ہے کہ جو چاہے میرے ساتھ کر گزرے؟'' ((اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَا اُبَالِیْ)) ''اگر تُو ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔ اگر تجھے یہی منظور ہے' یہی پسند ہے تو سرِ تسلیم خم ہے۔ ((اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ)) ''پروردگار! میں تیرے ہی روئے انور کی ضیا کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔''

یوم طائف کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بہت صحیح نکتہ بیان کیا ہے کہ شخصی اور ذاتی اعتبار سے طائف کا یہ دن محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا آنحضور ﷺ کی ذات کی حد تک ابتلاء و آزمائش کا معاملہ اس آخری انتہا کو پہنچ گیا جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں آیا ہے: ﴿مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ ۝﴾ یہ ابتلاء و آزمائش کا وہ نقطۂ عروج ہے جس کے بعد اللہ کی مدد آتی ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے اسی وقت ملک الجبال' یعنی وہ فرشتہ جو پہاڑوں پر مامور ہے' آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے عرض کیا کہ اللہ نے مجھے بھیجا ہے' اگر آپؐ حکم دیں تو میں طائف کے چاروں طرف کے پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دوں کہ طائف کے رہنے والے سرمہ بن جائیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت سے نواز دے اور انہیں اسلام لانے کی توفیق عطا فرما دے۔ بہرحال یومِ طائف نبی اکرم ﷺ کے لئے ذاتی

اعتبار سے سخت ترین دن تھا کہ اس روز صبر و مصابرت کا مرحلہ آپؐ کے لئے گویا نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ پھر اسی سال آپ کی رفیقۂ حیات اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا اور دنیا میں سہارا دینے والے چچا ابو طالب بھی انتقال کر گئے۔ چنانچہ سن دس نبوی کو حضور ﷺ نے ''عام الحزن'' سے تعبیر کیا، یعنی رنج و غم اور افسوس کا سال۔

طائف سے واپس جب آپ ﷺ مکّے پہنچے تو حالات اتنے مخدوش تھے کہ مکّے میں داخلہ ممکن نہ تھا۔ آپؐ نے مکّہ کے ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھے اپنی پناہ میں لے لو تو میں مکّے میں داخل ہوسکتا ہوں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، میں آپؐ کو حمایت کا یقین دلاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے دوبارہ پیغام بھجوایا کہ اس طرح نہیں، تم خود آؤ اور مجھے لے کر جاؤ۔ حالات اس درجے ناموافق اور نامساعد ہو چکے ہیں کہ مطعم بن عدی اپنے چھ بیٹوں کو لے کر ہتھیار لگا کر آتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو لے کر مکّہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے بعد البتہ حالات کا رخ بدلتا ہے اور بظاہر مایوسی و ناامیدی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں امید کے دیئے روشن ہونے لگتے ہیں!

نصرتِ الٰہی کا ظہور

طائف سے واپسی کے بعد سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک اڑھائی تین سال کا عرصہ ہماری اِس وقت کی گفتگو کے لحاظ سے دو اعتبارات سے قابل توجہ ہے۔ ایک یہ کہ نصرتِ خداوندی کا ظہور اس شان کے ساتھ ہوتا ہے کہ سن گیارہ نبوی میں مدینہ کے چھ افراد نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں۔ اس کا ذکر اس سلسلۂ درس میں پہلے بھی کسی موقع پر ہو چکا ہے۔ چشم تصور سے دیکھئے! حج کا موسم ہے، مختلف جگہوں سے آئے ہوئے قافلے مختلف وادیوں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں، اللہ کا رسول ﷺ اللہ کے پیغام کو عام کرنے اور مخلوقِ خدا کو راہِ راست پر لانے کی شدید آرزو دل میں لئے ایک وادی میں سے گزر رہا ہے۔ ایک جگہ چھ افراد ملتے ہیں، ان کے سامنے آپؐ اپنی دعوت پیش کرتے ہیں، وہ چھ افراد یثرب کی بستی سے آئے ہیں، آپؐ کی بات سن کر وہ

کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں' آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہودی جو دعویٰ کرتے تھے کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے' شاید یہ وہی نبی ہیں۔ آؤ کہ ہم ان پر ایمان میں سبقت کر لیں' مبادا یہودی ہم سے آگے بڑھیں اور وہ پہلے ان کی تصدیق کر دیں۔ گویا اوس اور خزرج کو یہود کے ذریعے سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ ان کے ایمان کا ذریعہ بن گئیں۔ (واضح رہے کہ یثرب میں دو قبائل اوس اور خزرج آباد تھے جنہیں ہم وہاں کے قدیم باشندے قرار دے سکتے ہیں' جبکہ یہودیوں کے بھی تین قبائل مدینے کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہو گئے تھے) اگلے سال سن بارہ نبوی میں بارہ افراد ایمان لے آئے اور انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبۂ اولیٰ ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنا کوئی نمائندہ ہمیں دیجئے جو ہمیں قرآن کی تعلیم دے۔ سورۃ الجمعہ کا درس ذہن میں لائیے' قرآن حکیم ہی حضور ﷺ کی دعوت کے مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ع ''قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند'' کے مصداق اس عظیم کام کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوتا ہے۔

یہاں ان کا شخصی تعارف کرا دینا بہت مناسب ہو گا۔ یہ ایمان اس وقت لائے جب ابھی بالکل نوعمر تھے۔ بڑے ہی ناز و نعم میں پرورش ہوئی۔ ان کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ نہایت قیمتی اور معطر لباس میں ملبوس جہاں سے گزرتے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے' لوگ اشارہ کرتے کہ وہ مصعب جا رہا ہے۔ ایمان لے آئے تو گھر والوں نے سب کچھ چھین کر بالکل برہنہ حالت میں نکال باہر کیا کہ اگر تم نے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑا ہے تو اپنے آباء و اجداد کی دولت اور ان کی وراثت سے بھی تمہیں کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اب وہ نوجوان ہر شے سے کٹ کر محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہی مصعبؓ ہیں کہ جن کے نام قرعۂ فال نکلتا ہے اور وہ معلمِ قرآن بنا کر یثرب بھیج دیئے جاتے ہیں۔ وہاں ان کا نام ''المُقری'' (پڑھانے والا) مشہور ہو گیا۔ انؓ کی محنت کا حاصل یہ تھا کہ اگلے سال سن ۱۳ نبوی کے

حج کے موقع پر ۷۵ افراد جن میں ۷۲ مرد اور ۳ عورتیں شامل تھیں، محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ ہو رہی ہے۔ یہی بیعت ہجرتِ مدینہ کی بنیاد بن گئی، اس لئے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ معاہدہ کیا کہ آپؐ ہمارے ہاں تشریف لائیے، ہم آپؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے کہ جیسے اپنے اہل وعیال کی کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ ہوا اور ہجرتِ مدینہ کے لئے راہ ہموار ہوگئی۔ بہرحال نصرتِ خداوندی کا ظہور اس طور سے ہوا کہ کہاں طائف میں یہ حالت تھی کہ آپؐ خود وہاں تشریف لے گئے اور ہر جانب سے انتہائی مایوس کن جواب ملا اور کہاں یہ کیفیت کہ مدینہ منورہ میں آنحضور ﷺ کے قدم ابھی پہنچے بھی نہیں، آپؐ کا ایک ادنیٰ جان نثار وہاں جا کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتا ہے اور وہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک انقلاب آ گیا، اوس اور خزرج کے سربرآوردہ لوگ ایمان لے آئے۔ اللہ نے مدینہ کو حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے لئے سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۲۶ کے مطابق ایک پناہ گاہ اور دعوتِ اسلامی کا مرکز بنا دیا۔ بہرحال ایک طرف تو نصرتِ خداوندی کا یہ ظہور ہے، اسے نگاہ میں رکھئے اور دوسری طرف مکّہ اور اہلِ مکّہ کے ساتھ جو ہو رہا ہے، اسے بھی ذہن میں لائیے!

مصالحت کی کوشش۔ دامِ ہمرنگِ زمین

اس دور میں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مصالحت کی ایک بھرپور کوشش ہوئی جس میں ولید بن مغیرہ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ بالکل ابتدائی سورتوں میں سورۂ مدثر اور سورۂ نون (جسے سورۃ القلم بھی کہتے ہیں) مشرکین میں سے جس نمائندہ کردار کا مذمت کے انداز میں ذکر ہے وہ جامہ ولید بن مغیرہ پر ہی راست آتا ہے۔ یہ شخص بالکل آغاز ہی میں دل سے قائل ہو چکا تھا کہ محمد (ﷺ) حق پر ہیں۔ حقیقت اس پر منکشف ہو چکی تھی۔ ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ اس کے ساتھیوں کو یہ خطرہ ہو گیا تھا کہ اس پر محمد کا جادو چل گیا ہے، لیکن مصلحتوں، مفادات اور چودھراہٹ کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں پڑی رہ گئیں اور وہ محروم رہا۔ لیکن بعد میں محسوس یہ ہوتا ہے کہ مسلسل اس کی یہ کوشش رہی کہ

کوئی مصالحت ہو جائے۔ چنانچہ یہ وہ وقت ہے کہ جس کے دوران وہ مصالحانہ کوششیں پوری شدت کو پہنچ گئیں۔ اس ضمن میں چند واقعات ملتے ہیں اور آج کے درس کے لئے جن آیات کو عنوان بنایا گیا تھا ان کا مضمون بھی اسی سے متعلق ہے۔ کسی داعیٔ حق کے لئے یہ مصالحت کا دامِ ہم رنگِ زمین انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ یہ معاملہ وہ ہے کہ اس میں اگرچہ براہ راست مقابلے یا مخالفت کی فضا نہیں ہوتی اور بظاہر انداز میٹھا ہوتا ہے لیکن اگر کہیں اس دامِ ہم رنگ زمین میں کوئی داعیٔ حق گرفتار ہو جائے تو لامحالہ اس کی منزل کھوٹی ہو جائے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔ مکّے میں جو حالات تھے ان کے پیش نظر بر بنائے طبع بشری آپ کا ان سے متاثر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ آپؐ جانتے تھے کہ اگر ان سرداروں میں سے کوئی ایمان لے آئے تو اس سے ایمان اور اسلام کے لئے راستے کھل جائیں گے اور یہ چیز اہل ایمان کے لئے بہت تقویت کا باعث ہوگی' جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام سے اہلِ ایمان کو دُنیوی اعتبار سے سہارا ملا۔ یہی وہ بات تھی کہ جس کے تحت جب یہ سردارانِ قریش آپؐ کے پاس مصالحانہ گفتگو کے لئے آتے تھے تو حضور ﷺ پذیرائی فرماتے اور ان کی جانب ملتفت ہوتے۔ اسی سلسلے میں وہ واقعہ پیش آیا کہ جس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ گرفت بھی ہوئی۔ ایک نابینا صحابی عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ ایک بار ایسے وقت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپؐ سردارانِ قریش سے گفتگو فرما رہے تھے' حضرت عبداللہؓ بار بار حضور ﷺ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرتے' جس پر حضور ﷺ کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ سورۃ عبس کے آغاز میں اسی واقعے کا حوالہ ہے:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی ۞ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۞ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی ۞ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی ۞ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۞ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ۞ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ۞ وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی ۞ وَهُوَ یَخْشٰی ۞ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ۞ کَلَّآ اِنَّهَا تَذْکِرَةٌ ۞ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَهٗ ۞﴾

''تیوری چڑھائی اور رخ پھیر لیا کہ ان کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا۔ اور

تمہیں کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت اخذ کرتا تو وہ نصیحت اس کے لئے فائدہ بخش ہوتی۔ اور وہ کہ جو بے پروائی اختیار کرتا ہے تو تم اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہو (یعنی سردارانِ قریش کی جانب آپؐ خصوصی التفات فرماتے اور آپ کی کوشش ہوتی کہ وہ ایمان لے آئیں) اور جو چل کر آتا ہے اور جس کے دل میں خشیت ہے (تزکیہ حاصل کرنے کی طلب ہے) تو تم اس سے اعراض کرتے ہو۔ ہرگز نہیں' یہ تو بس ایک یاددہانی ہے' تو جو چاہے اس نصیحت کو اخذ کرے' (اس سے فائدہ اٹھالے)''۔

آنحضور ﷺ کے لئے خصوصی ہدایات

آنحضور ﷺ کو یہاں توجہ دلائی گئی کہ اگرچہ آپؐ کی یہ خواہش اپنی جگہ بجا ہے کہ سردارانِ قریش ایمان قبول کرلیں تاکہ مسلمانوں کے لئے آسانی ہو جائے' لیکن ان کی جانب آپؐ کا یہ غیر معمولی التفات بھی مناسب نہیں ہے۔ آپؐ انہیں ایمان کی دعوت ضرور دیجئے لیکن یہ انداز اختیار نہ کیجئے! یہی بات سورۂ کہف کی ان آیات میں آئی ہے:

﴿وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتٰبِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا﴾

کہ اے نبی! جو کتاب آپؐ پر نازل فرمائی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے' اسے پڑھتے رہیے۔ آپؐ کے صبر و ثبات کی اصل اساس یہ ہے...... یہ مضمون اس سے پہلے ہمارے سابق درس سورۃ العنکبوت میں بھی آچکا ہے' جہاں اکیسویں پارے کی پہلی آیت بعینہٖ انہی الفاظ سے شروع ہوتی ہے: ﴿اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ......﴾ اور جان لیجئے کہ اللہ کے فیصلوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ آپؐ کی جدوجہد کا نتیجہ کب ظاہر ہوگا' راستہ کہاں سے نکلے گا' یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ آپؐ اپنا فرضِ منصبی ادا کیجئے' آپؐ کے ذمے تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے' کسی کے پیچھے پڑ کر اپنے لئے یا اس دین کی دعوت کے لئے کسی درجے میں بھی کسی ہلکے پن کا کوئی امکان پیدا نہ ہونے دیجئے۔ ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا﴾ اور سمجھ لیجئے کہ آپؐ کو پناہ تو بس اللہ ہی کے ہاں

ملے گی' وہی پناہ مہیا فرمائے گا' نصرت و تائید وہیں سے ملے گی۔ ان اسبابِ ظاہری کی جانب آپؐ ملتفت نہ ہوں' ان کی طرف زیادہ توجہ نہ فرمائیں' آپؐ کا ملجا و ماویٰ بس اللہ ہی کی ذات ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾

یہاں لفظ ''صبر'' کو نوٹ کیجئے جو منتخب نصاب کے اس حصّے کا اصل موضوع ہے جو ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔ صبر کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ان فقراء اور ضعفاء کے ساتھ مصاحبت اختیار کیجئے جو اگرچہ کمزور اور بے حیثیت لوگ ہیں لیکن ایمان لا چکے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہا تھا: ﴿هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ﴾ کہ اے نوح! ہم تمہارے پاس کیا آ کر بیٹھیں اور تم سے کیا بات کریں؟ تمہارے اردگرد تو ان لوگوں کا جمگھٹا ہوتا ہے جو ہمارے معاشرے کے گھٹیا اور کمین لوگ ہیں! ہم تمہاری بات سنیں تو کیسے' تمہارے پاس آئیں تو کیسے؟ یہی معاملہ سردارانِ قریش کا بھی تھا' وہ بھی اس بات پر معترض تھے کہ آپ کے آس پاس بیٹھنے والے تو اکثر وہ لوگ ہیں جو ہمارے غلاموں کے طبقے سے ہیں' ان کی موجودگی میں ہم آپؐ کی محفل میں کیسے آ سکتے ہیں؟ لیکن حضور ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپؐ تو بس اپنے آپ کو انہی فقراء کے ساتھ تھام کر رکھئے۔ یہ لوگ اگرچہ دنیاوی اعتبار سے بے حیثیت ہیں' دُنیوی مال و اسباب ان کے پاس نہیں ہے' لیکن یہ ایمان اور محبتِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہیں' یہ صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں' یہ صرف اس کی رضا کے طالب ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ آپ کی نگاہیں ان درویشوں سے ہٹ کر ان سردارانِ قریش کی جانب متوجہ نہ ہونے پائیں کہ کہیں دیکھنے والے کو یہ مغالطہ ہو کہ شاید آپؐ بھی دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہو گئے ہیں اور شاید دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور چہل پہل سے آپؐ نے بھی کوئی

تاثر قبول کرلیا ہے۔

آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ کہ یہ جو مصالحت کے لئے سردارانِ قریش آپؐ کے پاس آتے ہیں ان کے اصل باطن کو دیکھئے' یہ حق کو پہچاننے کے بعد اس سے اعراض کر رہے ہیں' ان کے کہنے میں نہ آیئے' ان کی چکنی چپڑی باتوں سے آپؐ متاثر نہ ہوں۔ یہ لوگ اپنی خواہشات کا اتباع کر رہے ہیں' ہماری یاد سے ان کے دل غافل ہیں۔ ہم نے انہیں محروم کر دیا ہے اپنی یاد کی لذت سے۔ ان کی پوری زندگی ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں۔ ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ اور اے نبی! ان سے ڈنکے کی چوٹ کہئے: مجھے تمہاری کوئی خوشامد نہیں کرنی' مجھے چاپلوسی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' یہ تمہارے ربّ کی جانب سے حق ہے جو میں پیش کر رہا ہوں۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ﴾ تو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔ داعیٔ حق کے لئے استغنا کا یہ انداز برقرار رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ اس مغالطے میں مبتلا نہ ہوں کہ اس کی کوئی ذاتی غرض اس دعوت کے ساتھ کسی درجے میں ملحق ہوگئی ہے۔

اس کے بعد غیظ و غضب کے انداز میں کفار کے انجام کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ﴾ ہم نے ان ظالموں کے لئے وہ آگ فراہم کی ہوئی ہے جو ان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لے گی جیسے کہ قناتیں ہوتی ہیں۔ ﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ﴾ اور اگر یہ چیخیں گے' پکاریں گے' فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی اس پانی سے کی جائے گی جو کھولتے اور پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا کہ جس سے ان کے مُنہ جل کر رہ جائیں' وہ پانی ان کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ ﴿بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ وہ بہت ہی بری شے ہوگی پینے کی اور بہت ہی برا ہوگا وہ انجام جس سے یہ دوچار ہوں گے۔

''کوئی اور قرآن پیش کرو''۔ مشرکین کا ایک مطالبہ

یہاں دیکھئے کہ اس پُرفریب مصالحانہ روش کی کس شدت کے ساتھ مذمت کی گئی

ہے اور اس دامِ ہمرنگ زمین میں کسی داعیٔ حق کے گرفتار ہو جانے کے امکان یا اندیشے کا کس شدّ ومدّ اور کتنے اہتمام کے ساتھ سدِّ باب کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سردارانِ قریش کی جانب سے اس مرحلے پر ایک خاص بات یہ پیش کی گئی کہ اے محمد (ﷺ)! ہمیں تم سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے' تم سے ہمارا کوئی جھگڑا یا ذاتی نوعیت کی کوئی لڑائی نہیں ہے' لیکن یہ قرآن جو تم پیش کر رہے ہو' ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ ٹھیک ہے کچھ باتیں اپنی منوالو کچھ ہماری مانو' کچھ لے دے کر معاملہ کرو' یہ قرآن تو بہت rigid (بے لچک) ہے' لہٰذا یا تو کوئی اور قرآن پیش کرو جو اس سے مختلف ہو یا اسی میں کوئی تغیر وتبدل کر کے کچھ لچک پیدا کرو' تبھی ہمارے اور تمہارے مابین کوئی مفاہمت اور مصالحت ہو سکتی ہے۔

اس پوری صورتِ حال کو ذہن میں رکھئے' بظاہر اسلام کے فروغ کا کہیں کوئی امکان نظر نہیں آ رہا' ہر چہار طرف سے راستے بند نظر آتے ہیں' یہ درست ہے کہ نبوت کے گیارہویں سال مدینہ کی جانب سے ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلتی ہے' چھ افراد حضور کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں' اگلے سال اس کھڑکی کا حجم کچھ بڑھ جاتا ہے' ایمان لانے والوں کی تعداد چھ سے بڑھ کر بارہ ہو جاتی ہے لیکن باقی تو ہر چہار طرف گھپ اندھیرا ہے' کہیں کسی جانب سے روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی' کچھ پتہ نہیں چلتا کہ راستہ کدھر سے نکلے گا۔ ان حالات میں امکانی طور پر بربنائے طبعِ بشری یہ خیال دل میں آ سکتا ہے کہ چلو حکمتِ عملی کا تقاضا سمجھ کر ہی کچھ لے دے کر معاملہ کر لیا جائے تاکہ بات کچھ تو آگے بڑھے' اگر ہمارا موقف اسی طریقے سے بالکل دوٹوک اور بے لچک (rigid) رہا پھر تو معاملہ بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائے گا' راستہ کھلنے کے تمام امکانات مسدود ہو کر رہ جائیں گے۔ اس امکان کو سامنے رکھئے اور دیکھئے قرآن مجید اس سلسلے میں کیا ہدایات دیتا ہے۔ سورۂ یونس سے سورۂ مؤمنون تک مکّی سورتوں کا جو طویل سلسلہ ہے ان میں سے اکثر و بیشتر سورتیں اسی دور میں نازل ہوئی ہیں۔ سورۂ یونس میں فرمایا گیا:

﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ﴾

کہ جب ان مشرکین کو ہماری روشن آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے' جنہیں یہ گمان ہی نہیں ہے کہ ہمارے حضور میں حاضری ہو گی' کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن پیش کرو یا اس میں کچھ تبدیلی کر لو۔

قرآن کا دوٹوک جواب

جواباً نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا: ﴿قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ﴾ اے نبی! کہہ دیجئے' میرے لئے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میں اسے اپنے جی سے بدل دوں' اپنی مرضی سے اس میں کوئی ترمیم کر دوں۔ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ میں تو خود پابند ہوں اس کا کہ جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے۔ ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے تو خود اندیشہ ہے اپنے پروردگار کی طرف سے ایک بہت بڑے دن کی سزا کا۔

یہ مضمون قرآن حکیم میں ایک سے زائد مرتبہ آیا ہے' لیکن جیسا کہ قرآن مجید میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر مضمون کے لئے کوئی ایک مقام ایسا ہوتا ہے کہ جہاں وہ مضمون اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے' اسی طرح اس مضمون کا ذروۃ السنام یا نقطۂ کمال (Climax) سورۂ بنی اسرائیل کے وسط میں ملتا ہے۔ آیت نمبر ۷۳ سے بات شروع ہوتی ہے: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ﴾ اور اے نبی! یہ لوگ تو اس پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ کسی طرح آپؐ کو بچلا دیں اس چیز کی طرف سے جو ہم نے آپؐ کی جانب وحی کی ہے (یعنی قرآن حکیم)' تاکہ آپؐ اس کے سوا کوئی چیز اپنے پاس سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیں۔ وہ تو آپ پر پورا دباؤ ڈال رہے ہیں اور اپنی پوری قوتیں اس پر صرف کر رہے ہیں کہ کسی طرح آپؐ کو اس موقف سے ہٹا کر مصالحت پر آمادہ کر دیں کہ کچھ لے دے کر بات

بن جائے اور کوئی ایسی بات اللہ کی طرف منسوب کر دی جائے کہ جس سے ان کے مشرکانہ موقف کی بھی تائید ہوتی ہو۔ فرمایا: ﴿وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا ۝﴾ اور اگر آپؐ ایسا کر لیں تو پھر تو وہ آپؐ کو اپنا دوست بنالیں گے' جھگڑے اور اختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اگلی آیت اس مضمون کے اعتبار سے بہت اہم ہے: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۝﴾ اور اے نبی! اگر ہم ہی نے آپؐ کو ثبات عطا نہ کیا ہوتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ آپؐ ان کی جانب کچھ تھوڑا سا جھک ہی جاتے۔ یہ ہے طبعِ بشری کا وہ تقاضا اور حالات سے متاثر ہونے کا امکان جس کا واضح ذکر یہاں موجود ہے۔ جب چاروں طرف سے راستہ بند نظر آتا ہو تو امکانی طور پر یہ بات ذہن میں آ سکتی ہے کہ وقتی طور پر اگر کچھ تھوڑی بہت مصالحت کر کے کام نکال لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے' پھر جب حالات ہمارے کنٹرول میں آ جائیں گے تو ہم پھر اپنے اصل موقف کی طرف رجوع کر جائیں گے۔ اسی امکان کا دروازہ بند کرنے کے لئے قرآن حکیم میں حضور ﷺ کو مختلف اسالیب میں صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۃ النحل کے آخر میں فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ کہ اے نبی! صبر کیجئے اور آپؐ کا صبر اللہ ہی کے سہارے ہے۔ آپؐ کے صبر کے لئے اصل سہارا اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ پر بھروسہ' اُس پر توکل اور ''تفویض الامر الی اللّٰہ'' ہی درحقیقت بندۂ مؤمن اور بالخصوص داعیٔ حق کے صبر کی اساس اور جڑ بنیاد ہے۔

اگلی آیت میں الفاظ کی ظاہری سختی پر ذرا نظر کیجئے' اسی سختی اور درشتی کا رخ اصل میں کفار کی طرف ہے' کان ان کے کھولے جا رہے ہیں' انہیں سنایا جا رہا ہے کہ ہمارے نبیؐ سے اس بات کی توقع نہ رکھو کہ وہ تمہاری باتوں میں آ کر اللہ کے کلام میں تغیر و تبدل کی جسارت کریں گے' لیکن ظاہراً خطاب یہاں حضور ﷺ کی طرف ہے: ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ۝﴾ اے نبی! اگر بالفرض ایسا ہو جاتا تو ہم آپؐ کو دوگنا مزا چکھاتے دنیا کی زندگی کے

عذاب کا اور دوگنا ہی موت کے عذاب کا اور آپؐ ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے۔

اس کے ساتھ ہی اگلی آیت میں اشارہ ہو رہا ہے ہجرتِ مدینہ کی طرف۔ ہمارے پچھلے سبق میں' جو سورۃ العنکبوت کی بعض آیات پر مشتمل تھا' ہجرتِ حبشہ کی طرف اشارہ ان الفاظ میں تھا: ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾ اے میرے وہ بندو جو مجھ پر ایمان لائے ہو! میری زمین کشادہ ہے' پس بندگی صرف میری کرو ؎

پائے مرا لنگ نیست
ملکِ خدا تنگ نیست!

تمہیں ہر حال میں اللہ کی بندگی کرنی ہے اور اس کی خاطر اپنے وطن اور اپنی سرزمین کو چھوڑنا پڑے تو بے دریغ ہجرت کر جاؤ۔ یہاں سورۂ بنی اسرائیل میں بھی ہجرت کا اشارہ دے دیا: ﴿وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْهَا﴾ اور یہ لوگ تو اب تلے ہوئے ہیں اس پر کہ آپؐ کے قدم اکھاڑ دیں اس سرزمین سے۔ ان مشرکین کی پوری کوشش ہے کہ سرزمینِ مکّہ سے آپؐ کو نکال باہر کریں۔ ان کے اس مذموم ارادے پر اللہ تعالیٰ نے نفیاً یہ نہیں فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکے گا' بلکہ صرف یہ فرمایا: ﴿وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝﴾ کہ پھر اس صورت میں یہ لوگ بھی یہاں زیادہ دیر رہ نہ سکیں گے' انہیں بھی یہاں پر اب زیادہ دیر تک تمکن حاصل نہ رہے گا۔ گویا کہ اشارہ ہو گیا کہ ہجرت کا وقت آ رہا ہے۔ لیکن آپؐ کے یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد یہ ابوجہل' یہ ابولہب' یہ ولید بن مغیرہ' یہ عقبہ بن ابی معیط' یہ عتبہ بن ربیعہ' یہ سب لوگ زیادہ دیر اس مکّے کی سرزمین میں آباد نہ رہیں گے' یہ بہت جلد کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔ فرمایا: ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا ۝﴾ یہ ہمارا مستقل ضابطہ اور قاعدہ ہے ان تمام رسولوں کے بارے میں کہ جنہیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا اور ہمارے اس ضابطے میں تم کبھی کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

پھر جس طرح سورۃ العنکبوت کے درس میں یہ بات ہمارے سامنے آئی تھی کہ اس طرح کی کٹھن اور مشکل صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمان کا اصل سہارا نماز اور ذکرِ الٰہی ہے' اسی طرح یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اگلی آیت میں نماز کی تاکید ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ نماز قائم رکھو سورج کے ذرا ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہو جانے تک! ظہر سے عشاء تک چونکہ اوپر تلے نمازیں آتی ہیں لہٰذا ان نمازوں کا ذکر اس انداز میں کیا گیا۔ ذہن میں رکھئے کہ اس سورۃ یعنی سورۂ بنی اسرائیل میں معراج کا ذکر ہے اور معراج ہی میں پانچ نمازوں کی فرضیت کا معاملہ ہوا۔ سورج کے ذرا ڈھلنے کے بعد سے لے کر ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں پے بہ پے آتی ہیں' گویا کہ نماز قائم رہتی ہے۔ جو انسان نماز باجماعت کا پابند ہو وہ وقفے وقفے سے مسجد جاتا اور آتا ہے۔ چار نمازوں کا ذکر یوں ہوا اور پانچویں نماز یعنی نماز فجر کا تذکرہ ایک منفرد شان سے ہوا: ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ اور قرآن پڑھنا فجر کا۔ کیونکہ اس میں طویل قراءت کا خاص اہتمام ہوتا ہے' دیگر نمازوں کے مقابلے میں قرآن مجید کا زیادہ حصہ پڑھا جاتا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا: ﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا ۝﴾ واقعہ یہ ہے کہ فجر کے وقت قرآن کی جو تلاوت ہوتی ہے اس پر موجودگی ہوتی ہے' یعنی قلب بھی حاضر ہوتا ہے اور جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں' رات اور دن دونوں اوقات کے فرشتوں کا اس وقت اجتماع ہوتا ہے۔

فرض نمازوں کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ﴾ اور اے نبی (ﷺ)! ایک چیز آپؐ کے لئے اضافی طور پر لازم ہے۔ رات میں بھی آپؐ کھڑے رہا کریں اس قرآن کے ساتھ۔ قرآن کے ساتھ رات کو جاگنے اور قیام کرنے کا حکم بالکل ابتداء میں بھی آ چکا تھا: ﴿قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝﴾ (سورۃ المزمل) یہاں گویا کہ دوبارہ اس کی تاکید ہو رہی ہے کہ آپؐ کے لئے بالخصوص یہ رات کی نماز بہت ضروری ہے۔ ساتھ ہی ایک بشارت بھی دے دی: ﴿عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ کہ ہوسکتا ہے کہ آپؐ کا ربّ آپ کو مقامِ محمود عطا فرمائے۔

ابھی تک سورۂ بنی اسرائیل کی جو آیات ہم نے پڑھی ہیں ان میں صرف ایک رواں ترجمہ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے تاکہ مضمون یہاں تک پہنچ جائے کہ جہاں ہجرت کا حکم وارد ہوا ہے۔ اگلی آیت میں یہ حکم بشکلِ دعا وارد ہوا ہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴾

''اور اے نبی! اپنے ربّ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے ربّ! مجھے داخل کر سچائی کا داخل کرنا اور مجھے نکال سچائی کا نکالنا اور میرے لئے خاص اپنے خزانۂ فضل سے وہ غلبہ وقوت عطا فرما جو میری پشت پناہ بنے۔''

یہ اللہ کی طرف سے اس انداز میں دعا کی تلقین دراصل اس کی پیشگی قبولیت کے اعلان کے طور پر ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک بشارت ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو کہ اب آپؐ کی دعوت ایک دوسرے مرحلے میں داخل ہونے والی ہے۔ اب وہ دَور آیا چاہتا ہے کہ جس میں وہ سرزمین کہ جو آپؐ کی دارالہجرت بننے والی ہے' وہاں آپ کو تمکن اور غلبہ واقتدار حاصل ہوگا اور اس طرح غلبۂ دینِ حق کی راہ ہموار ہوگی۔ اور کچھ عرصے بعد بالآخر وہ صورت ہو جائے گی کہ حق کا بول بالا ہوگا اور باطل نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس کی بشارت اگلی آیت میں موجود ہے: ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا﴾ ''اعلان کر دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' اور باطل تو ہے ہی مٹنے والا۔'' یہ تھوڑا سا وقتی غلبہ جو بظاہر باطل کو حاصل ہے اس سے انسان وقتی طور پر متاثر بھی ہو جاتا ہے اور یہ بھی درحقیقت اہل حق کی آزمائش کے لئے ہوتا ہے' ورنہ باطل کے لئے ثبات کہاں؟

یہ ہیں وہ مراحل کہ جن سے نبی اکرم ﷺ گزر رہے تھے۔ مکّی دور کا ایک اجمالی سا نقشہ رکھ دیا گیا کہ کس کس پہلو سے اور کس کس گوشے سے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر آزمائش آئی اور کس کس اعتبار سے صبر اور مصابرت کی ضرورت پیش آئی۔ بہرحال اس مکّی دور کا جو نقطۂ اختتام ہے اسے یوں سمجھئے کہ ان ساری مصالحتی کوششوں کو ان کے

پیش کرنے والوں کے مُنہ پر مار کر ان سے دوٹوک الفاظ میں اعلانِ براءت کیا گیا۔ اس راہ میں اگر تشدد ہوا تو اس کو پامردی سے سہا' فقر و فاقہ آیا تو اسے جھیلا' قید و بند آئی تو اسے برداشت کیا' پتھراؤ ہوا تو اس کو انگیز کیا' لالچ دیا گیا تو اس کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے رہے' مصالحت کی پیشکش ہوئی تو اس کو ٹھکرایا اور آخری اعلان براءت ان الفاظ میں ہوا۔

﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝ وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝﴾

یہ اعلانِ براءت سورۂ زمر میں بہت ہی شدت کو پہنچ گیا ہے۔ یوں کہیے کہ اس کا نقطۂ عروج یہی مقام ہے: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝﴾ اے نادانو' اے کم علمو اور ناسمجھ لوگو' اے جاہلو! کیا تم مجھے یہ حکم دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کو پوجنے لگوں؟ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو تو درحقیقت تمہاری یہ کوشش اور تمہاری یہ توقع سراسر باطل ہے۔ یہ جماؤ' یہ صبر' یہ تحمل اور یہ مصابرت ہی دراصل اس راہ میں درکار ہے۔ وَآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العالمین!

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ العالی

کے جامع خطاب پر مشتمل کتاب

مروجہ تصوف یا سلوکِ محمدی؟

یعنی

احسانِ اسلام!

شائع کردہ : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: ۰۳-۵۸۶۹۵۰۱

تاریخ کے بدترین دہشت گرد کون؟ (۱)

مسلمان یا عیسائی؟؟

ریاض الحسن نوری ☆

بقول برٹرینڈ رسل مغرب میں بگڑی ہوئی عیسائیت دنیا کا سب سے زیادہ دہشت گرد اور تباہ کن مذہب بن گئی۔ وہ لکھتا ہے:

The Christians, retaining the Judaic belief in a special revelation, added to it the Roman desire for worldwide dominion and the Greek taste for metaphysical subtleties. The combination produced the most fiercely persecuting religion that the world has yet known.

''عیسائیوں نے یہودیوں کے وحی پر ایمان کو قبول کر کے اس میں رومنوں کی دنیا پر حکومت کی خواہش اور یونان کے پُر اسرار فلسفہ کا اضافہ کیا۔ اس آمیزش نے ان کے مذہب کو دنیا کا سب سے دہشت ناک مظالم کرنے والا مذاہب بنا دیا۔'' (۱)

اہل کتاب نے اپنے مظالم اور قتل عام کے جواز کے لئے تورات میں تبدیلیاں کیں اور پیغمبروں پر دہشت ناکی اور بدترین حرام کاری کے الزامات لگائے۔ سنئے:

''اس لئے ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا مُنہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لئے زندہ رکھو''۔ (۲)

''پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا..... جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا''۔ (۳)

☆ مشیر وفاقی شرعی عدالت و ریسرچ سکالر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔

''اور داؤد نے اس سرزمین کو تباہ کر ڈالا اور عورت اور مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا''۔ (۴)

''ان سب آبادشہروں کو مع عورتوں اور بچوں کے بالکل نابود کر ڈالا''۔ (۵)

گویا قتل عام میں عورتوں اور مردوں کے ساتھ بچوں کو بھی بے دردی سے قتل کر دیا جاتا تھا۔ ثابت ہوا کہ یورپ کے عیسائیوں کی گھٹی میں بچوں کا قتل عام بھی شامل تھا۔

معصوم بچوں کو سیدھا جنت میں بھیجنے کا نسخہ

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

.....baptise Indian infants ..... dash their brains out ..... secured infants went to heavens.

''عیسائیت کے مبلغ امریکہ کے مقامی قبیلوں کے بچوں کو عیسائی بنا کر بپتسمہ دیتے اور پھر ان کے سروں کو دیوار سے مارتے کہ ان کا دماغ باہر نکل آتا۔ اس طریقے سے وہ گارنٹی دیتے کہ وہ اب سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے''۔ (۶)

مزید لکھتا ہے کہ پوپ پائس نہم کا کہنا تھا کہ یہ یقین کرنا کہ انسان کے کم درجہ کے جانوروں سے متعلق بھی کچھ فرائض ہیں' مرتدین کے نظریات ہیں..... یورپ جو ہمیشہ ہیبت ناک اور دہشت ناک رہا ہے..... اب پھر اپنی اصلیت کی طرف لوٹ رہا ہے۔ (۷)

برٹرینڈ رسل قرونِ وسطیٰ کی مذہبی جنگوں میں بربادی کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ:

''یہ جنگیں یورپ کی سولہویں اور سترھویں صدیوں کے مقابلے میں کچھ نہ تھیں۔ پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک دونوں یہ خیال کرتے تھے کہ دوسرے فرقہ کے حکمران کو قتل کرنا بالکل جائز ہے۔ تیس سالہ فرقہ وارانہ جنگ نے جرمنی کی آبادی نصف کر دی..... اگر ہم یورپ اور دوسرے برّ اعظموں کا مقابلہ کریں تو ہمیں یورپ خاص طور سے ظلم وستم کا برّ اعظم نظر آتا ہے۔ یہ ظلم وستم اس وقت تک ختم نہ ہوا جب تک کسی ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کو بالکل نیست ونابود کرنے کی امید رہی۔ انیسویں صدی میں زیادہ جنگیں نہ ہوئیں۔ اور ہم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرتا تھا کہ یہ صدی تو محض دو اندھیرے ادوار کے درمیان مختصر وقفہ ہے۔ جدید دور کی تصویر ہمیں پرانے دور کے اندھیرے

زمانے میں ملتی ہے۔اب پھر نفرت اور جنگ کا دور آ گیا ہے''۔(۸)

شاہ لیوپولڈ دوم نے کانگو کی نصف سے زیادہ آبادی مار ڈالی

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

.....In the Congo, while under the personal rule of King Leopold II, there were large-scale systematic atrocities as dreadful as anything perpetrated by the Nazis or alleged against the Soviet Government by its bitterest enemies; In fifteen years this enlightened monarch, a pillar of the Church, and an ardent self-proclaimed philanthropist, reduced the population of this African kingdom approximately from 20 million to 9 million. (9)

''شاہ لیوپولڈ دوم نے کانگو کی رعایا پر ایسے بھیانک مظالم ڈھائے کہ جن کے سامنے نازیوں یا روسیوں کے مظالم پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ بادشاہ چرچ کا ستون کہلاتا تھا۔۱۵ سال میں کانگو کی آبادی ۲۰ ملین سے کم ہو کر صرف ۹ ملین رہ گئی''۔

کانگو کی دو تہائی آبادی مار ڈالی

چارلس فرینکلن جس نے مظالم کی تفصیل بیان کی ہے یہ بتانے کے بعد کہ یہ ظالم بادشاہ ملکہ وکٹوریہ کے محبوب چچا کا بیٹا تھا' لکھتا ہے کہ کانگو کی کم از کم دو تہائی آبادی ۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیان ماری گئی۔

دراصل کانگو کے عوام سے ربڑ کے جنگلوں میں ربڑ نکالنے کے لئے جبری محنت بڑے ہی ظلم وستم سے لی جاتی تھی۔حکومت اپنے فوجیوں کے علاوہ مقامی آبادی سے بھی فوجی بھرتی کر کے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتی تھی۔دیہات پر حملہ کر کے قیدی بنا لئے جاتے اور ہاتھی دانت کے مہیا کرنے پر اُن کو رہائی ملتی۔مزید مسلح فوجیوں کو بھیج کر قیدی بنا کر ان سے ربڑ نکالنے کا کام لیا جاتا اور ان کی عورتوں کو اغوا کر کے رکھا جاتا جب تک ان کے مرد ربڑ کی مقررہ مقدار مہیا کر کے نہ دیتے۔ان عورتوں سے جو سلوک ہوتا اس

کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کو ربڑ کی زیادہ سے زیادہ مقدار نکالنے کا حکم دیا جاتا اور اس سلسلے میں بڑے مظالم کئے جاتے۔ سپاہیوں کو کہا جاتا کہ ان لوگوں پر گولیاں ضائع نہ کریں بلکہ ان کے داہنے ہاتھ کاٹ لیں یا جنسی اعضاء کاٹ ڈالیں اور ان کو خشک کر کے ٹوکریوں میں بھر کر اپنے افسروں کو پیش کریں تا کہ عظیم گورے بادشاہ کی حقیقی خدمت کا اندازہ کیا جا سکے۔ مزید مقامی باشندوں کو گوروں کے پیشاب پینے پر مجبور کیا جاتا۔ اگر ربڑ صحیح تیار نہ کی جاتی تو ان کو ربڑ کھانے پر مجبور کیا جاتا۔ وہاں کا مقامی محاورہ تھا کہ ''ربڑ موت ہے''۔

پوٹومایو (PUTUMAYO) کے مظالم

یہ مقام پیرو (PERU) کا حصہ ہے جو کولمبیا اور برازیل کے ساتھ ہے۔ یہاں حکومت کا کنٹرول کمزور تھا اور ایک پرائیویٹ کمپنی نے تباہی مچائی جو لندن کی تھی۔ پتہ چلا کہ یہاں کے لوگوں پر کانگو سے بھی بھاری مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ مَردوں، عورتوں اور بچوں کو باقاعدہ اذیتیں دی جاتیں اور مروڑے ہوئے چمڑے کے کوڑوں سے مارا جاتا حتیٰ کہ ان کی ہڈیاں ظاہر ہو جاتیں اور ان کے زخم سڑ جاتے۔ جب یہ مر جاتے تو لاشوں کو کتوں کو کھلا دیا جاتا۔ کیسمنٹ کا کہنا ہے کہ اس نے ۹۰ فیصد مقامی لوگوں پر زخموں کے نشان دیکھے۔ سب سے خراب نشان دس اور بارہ سال کے بچوں کے جسموں پر پائے گئے۔ ان کو وہ آرانا (ARANA) کے نشان کہتے تھے کیونکہ کمپنی کے مالک کا نام یہی تھا۔ ان لوگوں کو کاٹھ مار کر کوڑے مارے جاتے اور پھر بھوکے مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ چشم دید گواہوں نے ان کو زخموں کے کیڑے اور زمین کی مٹی کھاتے دیکھا.....

ان لوگوں سے گوروں کے رویہ کی یہ وجہ بیان کی جاتی تھی کہ وہ ان مقامی لوگوں کو جانور سمجھتے تھے، جن سے اتنا کام لیا جائے کہ وہ مر جائیں یا ان کو ذبح کر دیا جائے۔ غلام بنانے کے حملوں میں تمام لوگوں کو پکڑ لیا جاتا یا وہ قتل کر دیئے جاتے۔ بچوں کے دماغوں کو درختوں سے ٹکرا کر انہیں مار دیا جاتا۔ فاسیٹ (Fawcett) ایک مقام (ربرالٹا)

میں کچھ روز رہا۔ وہ سارا دن پولیس کمپاؤنڈ سے کوڑوں کی آوازیں سنتا۔ پھر گھبرا کر اور پریشان ہو کر وہاں سے بھاگ گیا۔

ایک گواہ کا کہنا ہے کہ مقامی لوگوں کو درختوں سے باندھ کر نشانہ بازی کی جاتی۔ ان لوگوں سے بعض ایسے شرمناک اور قبیح فعل کئے جاتے جن کا بیان کرنا ہی نفرت انگیز ہے۔ آخر وہ کون لوگ تھے جو ایسے ہیبت ناک مظالم انسانوں پر توڑتے تھے؟ اس کے لئے یورپ کی جیلوں اور غریب آبادیوں سے بدترین قسم کے بدمعاش لائے جاتے اور ان کو مینیجر بنا دیا جاتا۔

ہاؤس آف کامنز تک جب یہ اطلاعات پہنچیں تو اس نے ایک تفتیشی کمیٹی بنائی، کیونکہ معاملہ ایک انگریزی کمپنی کا تھا۔ جن لوگوں نے گواہی دی ان میں کیسمنٹ، ہارڈنگ اور آرانہ کے نام بھی شامل ہیں۔ کمیٹی نے رپورٹ دی کہ ان مظالم کی حقیقت ثابت ہوگئی اور تسلیم بھی کر لی گئی ہے، لیکن افسوس کہ نتیجہ کچھ نہ نکلا..... آخر کار پیرو کی حکومت نے ۲۳۷ لوگوں کے وارنٹ گرفتاری جاری کئے، لیکن صرف ۹ پکڑے گئے مگر مقدمہ کسی پر نہ چلا۔ رشوت اور کرپشن کی وجہ سے سب معاملہ دھرا رہ گیا۔ سال دو سال تک دنیا میں مظالم کی گونج رہی۔ پھر ۱۹۱۴ء کی جنگ شروع ہوگئی اور ربڑ کے جنگلوں کی بات بھول گئی۔

جنگ عظیم دوم کے دوران ربڑ کی ضرورت بڑھ گئی تو ایک مرتبہ پھر ایمیزن (AMAZON) کے ربڑ کے جنگلات میں ہونے والے ظلم وستم کی کہانیاں برٹش پریس میں چھپنا شروع ہوگئیں، مگر اب پبلک اس معاملے میں بے حس ہوگئی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں ایچ جی ویلز نے لکھا کہ اب ربڑ کے جنگلات میں کیا ہو رہا ہے، کسی کو کچھ پتہ نہیں۔

اب مذکورہ بالا بیان کے خاص فقرے اصل انگریزی میں ملاحظہ فرمائیے:

The Indians were flogged until their bones were laid bare, after which they were given no medical treatment, whith the result that their wounds putrefied; Those who died were fed to the

dogs. Casement said that ninety per cent of the natives he saw bore the scars of flogging. Some of the worst scars he found on children of ten and twelve. They called these scars the mark of Arana.

A common instrument of torture was the stocks in which victims were often confined for long periods with their legs forced so wide apart that they suffered extreme pain. The holes of these stocks were so small that when the beams were closed the flesh was cut and crushed. Indians were often flogged in the stocks and then left to die of hunger. Eye-witnesses saw them eat maggots from their wounds and the dirt from the ground.

Other methods of "punishment" were hanging by the neck with the toes just touching the ground, and then being flogged in that position. They were crucified upside-down, held under water until they were nearly drowned, and mutilated in every possible way.

Another British traveller who was in Putumayo at the time was Colonel Percy H. Fawcett, whose later disappearance in the Amazon is one of the unsolved mysteries of the century. Fawcett paid his first visit to South America in 1906 and went to the Putumayo district during the height of the atrocities.

His explanation of the white men's behaviour was that they looked on the Putumayo Indians as animals to be worked to death or slaughtered. Slaving raids were common on Indian villages when all adults were seized or slaughtered and the childeren's brains were dashed out against the trees.

All the day he heard the sound of flogging in the police compound. He finally fled from the place,

sickened.

One witness said that Indians were killed for sport, tied to trees and used as targets. Many of the things done to these Indians were too obscene, too revolting for publication.

What sort of human beings were they who did these things? Fawcett said that the company employed the most depraved and brutal managers and overseers they could find the sweepings of the slums and prisons of Europe. Casement and Hardenburg said that Arana had recruited two hundred Barbados natives for slave-drivers.

The House of Commons appointed a Select Committee to investigate the matter, seeing that a British company was involved. Among those who gave evidence were Casement, Hardenburg and Arana.

On the subject of the outrages upon the Indians, the Committee reported : "During the course of their investigation the reality and the gravity of these atrocities have been admitted, established and confirmed."

The only practical thing that was done in the matter was the winding up of the Peruvian Amazon Company, which was done compulsorily in March, 1913.

But, alas, nothing was done for the unfortunate Indians of Putumayo. Casement's first action on his return to England was to supply the Government with the name of the principal criminals.... only nine arrests were made but no one was brought to trial.[١٠]

پیغمبر لوطؑ پر بیٹیوں سے حرام کاری کا الزام

اہل کتاب نے تورات میں تحریف کی اور لکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے باپ کو شراب پلا کر ہم بستری کی۔ پیدائش' باب ۱۹ کی آیت ۳۶ یوں ہے:

''سولوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں''۔

ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ دل پر جبر کر کے ہم نے یہ کفر نقل کیا ہے۔ تفصیل تورات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔

محرمات سے حرام کاری جدید دور میں بڑھ گئی

محرمات سے بدکاری یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں بھی تھی مگر جدید دور میں مزید بڑھ گئی ہے۔ اس وجہ سے یورپ کے بعض ممالک میں اس قبیح جرم کو جرائم کی فہرست سے نکالنے کا بھی مشورہ دیا جاچکا ہے۔ (۱۱)

بیماریوں کی مفت برآمد

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

In addition to cotton goods we exported tuberculosis and syphilis but for them there was no charge.

''ہم نے روئی کی مصنوعات کے علاوہ تپ دق اور آتشک بھی غیر ممالک کو برآمد کیں' مگر اس کے لئے کوئی قیمت وصول نہیں کی''۔ (۱۲)

روزنامہ نوائے وقت کی خبر ملاحظہ ہو: ایڈز کا ہم جنس پرستی سے کوئی تعلق نہیں۔ عالمی ادارۂ صحت نے اس کے وائرس تیار کئے۔ ۱۹۷۴ء میں عالمی ادارۂ صحت نے چیچک کے ٹیکوں میں ایڈز کا وائرس ملا کر افریقہ کے لاکھوں افراد کو لگا دیئے۔ نیویارک بلڈ سینٹر نے طے شدہ منصوبے کے تحت ۲ ہزار سے زائد ہم جنس پرستوں کو بھی ایڈز وائرس کے ٹیکے لگا دیئے۔ امریکی نیوی۔ انٹیلی جنس کے اہم رکن ولیم کوپر کے انکشافات۔ یہ انکشافات کتابی صورت میں پیش کئے گئے۔ اس میں دو دستاویزی ثبوت بھی شامل ہیں۔ (۱۳)

روزنامہ انصاف' بابت ۲۰۰۱ء۔۷۔۱۶ کے مطابق بقول قذافی' سی آئی اے ایڈز کی موجد ہے۔ روزنامہ انصاف' بابت ۲۰۰۱۔۶۔۲۲ کے مطابق اس مرض سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین سے بڑھ چکی ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ۲۲ ملین انسانوں کی موت کا کون ذمہ دار ہے؟

نطشے اور مغربی جنگی شیطانی فلسفے

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

Napoleon remained Antichrist, but an Antichrist to be imitated, not merely to be abhorred. Nietzsche, who accepted the compromise, remarked with ghoulish joy that the classical age of war is coming, and that we owe this boon, not to the French Revolution, but to Napoleon. And in this way nationalism, Satanism, and hero-worship, the legacy of Byron, became part of the complex soul of Germany. (۱۴)

''نپولین اینٹی کرائسٹ (دجال) بنا رہا' مگر ایسا اینٹی کرائسٹ (دجال) جس کی نقالی کی جائے' محض اس سے نفرت نہ کی جائے۔ نطشے جس نے اس اتفاق کو قبول کر لیا' شیطانی بھوت کی سی خوشی میں اعلان کیا کہ اب جنگ کا تاریخی دور آ رہا ہے۔ یہ انقلابِ فرانس کا ثمرہ نہیں بلکہ نپولین کا انعام ہے۔ اس طرح شیطان ازم' قوم پرستی اور شخصیت (ہیرو) پرستی جو کہ بائرن کا نظریہ تھی' جرمنی کی پیچیدہ روح کا حصہ بن گئی''۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف جرمنی ہی نہیں بلکہ پوری مغربی دنیا میں نفوذ کر چکا ہے' بلکہ مغرب پرست مسلمانوں پر بھی اس کا اثر پڑ چکا ہے۔ ہمیں ان نام نہاد مسلمان لیڈروں اور حکمرانوں کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔

جرمنی میں ہٹلر کے یہودیوں پر مظالم کے متعلق مائیکل ایچ ہارٹ لکھتا ہے کہ اس طور ممکن ہے کہ لوتھر کی تصنیفات نے ہٹلر کے دَور کا راستہ ہموار کیا ہو۔ (۱۵)

گروو (GROVE) پریس نیویارک سے ۱۹۶۴ء میں جرمن سے انگریزی

ترجمہ کی کتاب چھپی ہے جس کا نام ''دی ڈپٹی'' ہے۔ اس کے مترجمین رچرڈ اور کلارا ونسٹن ہیں۔ اس کے شروع میں البرٹ شویٹزر (Albert Schweitzer) کا دیباچہ ہے۔ جرمنی میں یہودیوں پر جو مظالم ہوئے ان کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ یہ ہم سب کا قصور تھا۔ ان کی ذمہ داری کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں چرچوں پر عائد ہوتی ہے۔ اس دور میں ہم غیر انسانی کلچر کے دور میں تھے جو نطشے سے چلا آ رہا تھا۔ مزید یہ سب فلسفہ اور آزاد خیالی کی بھی ناکامی تھی۔ انگریزی الفاظ سنئے:

The failure was that of philosophy, of free thought as well.

اس کتاب کو لاس اینجلز ٹائمز نے جنگ عظیم دوم کے بعد سب سے زیادہ ہلچل پیدا کرنے والی قرار دیا ہے۔ (بیک ٹائٹل) ثبوت کے لئے اصل کتاب پڑھیے۔

(جاری ہے)

حواشی

۱) برٹرینڈ رسل: ان پریز آف آئیڈل نس، ص ۱۰۸

۲) گنتی، باب ۳۱، آیات: ۱۷، ۱۸۔ دیکھئے کتاب مقدس، مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور، ص ۱۵۸

۳) استثناء: باب ۲۰، آیات ۱۶ تا ۱۸، محولہ بالا

۴) سموئیل، باب ۲۷۔ آیت ۹، ص ۲۸۹

۵) استثناء، باب ۳، آیت ۶

۶) برٹرینڈ رسل: وائی آئی ایم ناٹ اے کرسچین، ص ۳۵، ۳۶

۷) برٹرینڈ رسل: ان پریز آف آئیڈل نس، ص ۱۰۹

۸) رسل: نیو ہوپس فار اے چینجنگ ورلڈ، ص ۱۱۸ تا ۱۲۱

9) *New Hopes for a Changing World pp.101-104. Allen Unwin, 1968.*

10) *Charles Franklin The World's Greatest Scandals. pp. 124-134, Odhams Books Ltd Long Acre London W.C.2.1967*

۱۱) ایڈورڈ ساگارن اور ڈونلڈ ۔ ای ۔ جے میک نامارا ، سیکس پروگرام اینڈ دی لا، ص ۱۸۳

۱۲) برٹرینڈ رسلز بیسٹ، ص ۹۶، ۹۷

۱۳) واشنگٹن انٹرنیشنل ڈیسک، نوائے وقت بابت ۹۲-۹-۱۴

14) *A History of Western Philosophy p 752 A Clarion Books, 1967*

۱۵) دی ہنڈرڈ، ص ۱۵۳، مطبوعہ نیویارک ۱۹۸۷ء

''حیرت انگیز قرآن''(۳)

تحریر: گیری ملر
ترجمہ: خالد آفتاب

نیو کیتھولک انسائیکلو پیڈیا میں اس مضمون کے متعلق ایک بہت دلچسپ حوالہ موجود ہے۔ قرآن پاک کے متعلق ایک آرٹیکل میں کیتھولک چرچ بیان کرتا ہے: صدیاں گزر گئیں' قرآن پاک کی ابتداء سے متعلق بہت سے نظریات پیش کئے گئے' لیکن آج تک کسی بھی عقلمند انسان نے ان نظریات کو تسلیم نہیں کیا۔ اب یہاں یہ قدیم ترین کیتھولک چرچ جو کہ صدیوں پرانا ہے' ان تمام فضول کوششوں کو رد کرتا ہے جو کہ قرآن پاک کی وضاحت کے متعلق پیش کی گئی ہیں۔ دراصل قرآن پاک کیتھولک چرچ کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ چرچ یہ کہتا ہے کہ یہ ایک آسمانی صحیفہ ہے اس لئے وہ اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ نہیں' بلکہ یقینی طور پر وہ اس میں سے کوئی غلط ثبوت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو کہ اس میں ہے ہی نہیں اور نہ ہی وہ اس کی کوئی پائیدار وضاحت دے سکتے ہیں۔ لیکن وہ کم از کم اپنی تحقیق میں بالکل دیانت دار ہیں' لہٰذا انہوں نے پہلے سے قائم شدہ غیر حقیقی تشریحات کو رد کر دیا۔ چرچ نے بیان دیا کہ چودہ سو سال قبل کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس قدر عقل پر مبنی تشریحات پیش کر سکے لہٰذا یہ صرف ایک مقدس آسمانی صحیفہ ہی ہے۔ چلیں کم از کم انہوں نے تسلیم تو کیا کہ قرآن پاک اتنا آسانی سے برخاست کیا جانے والا مضمون نہیں ہے۔ یقینی طور پر دوسرے لوگ بہت کم دیانت دار ہیں۔ وہ فوراً یہ کہتے ہیں: اوہ قرآن! یہ یہاں سے آیا' یہ وہاں سے آیا۔ دراصل انہوں نے قرآن پاک کی صداقت کو جانا ہی نہیں ہوتا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ یقینی طور پر کیتھولک چرچ کی طرف سے اس بیان نے تمام تر عیسائیوں کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قرآن پاک کے متعلق یہ ان کا اپنا کوئی خیال ہی ہو۔ لیکن چرچ کا ایک فرد ہونے

کے ناطے وہ اپنے کسی نظریئے پر عمل نہیں کرسکتا۔اس قسم کا کوئی بھی عمل چرچ کی رکنیت' فرمانبرداری' اطاعت اور وفاداری کے تقاضوں کے برعکس ہوگا۔ ممبرشپ کی وجہ سے اس کو بغیر کسی قسم کے سوال کے یہ ماننا پڑتا ہے جو چرچ اعلان کرتا ہے اور اس کی تعلیمات کو روزمرہ کے معمول کے حصہ بنانا پڑتا ہے۔الغرض اگر تمام کیتھولک چرچ یہ بیان دیتے ہیں کہ قرآن پاک کے بارے میں غیر تصدیق شدہ اطلاعات کو بالکل نہ سنا جائے تو پھر اسلام کے نقطۂ نگاہ کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ حالانکہ غیر مسلم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں واقعی وہ کچھ ہے جس کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ پھر کیوں یہ لوگ اس وقت ضدی' مخالفانہ اور اڑیل قسم کے سوالات کرتے ہیں جب مسلمان بھی بالکل یہی نظریہ پیش کرتے ہیں۔ دراصل یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو سوچ بچار اور غور وفکر کے لئے ذہن رکھتے ہیں۔

حال ہی میں ایک بہت بڑے کیتھولک چرچ کے دانشور اور چرچ کے ایک باعزت رکن ہینز (Hans) نے قرآن پاک کا مطالعہ کیا اور جو کچھ اس نے پڑھا اس کے بارے میں انتہائی جانچ پڑتال اور بہت محتاط تحقیق کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ''خدا بذریعہ انسان' انسان سے مخاطب ہوا جو کہ حضرت محمد ﷺ ہیں''۔کیتھولک چرچ کے ایک اور بڑے دانشور نے اقرار کیا کہ میں بذات خود اس نتیجے پر پہنچا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ پاپائے روم (Pope) اس سے اتفاق نہیں کریں گے۔ تاہم اس بات سے لوگوں کی رائے میں مسلمانوں کے نظریات کی دفاعی صورت حال کو بہت استحکام ملا ہے اور اس حقیقت کا سامنا کرتے ہوئے اس نے بڑے قابل تحسین الفاظ میں کہا کہ قرآن پاک کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو اتنی آسانی کے ساتھ دھکیل کر ایک طرف لگا دیا جائے۔اور یہ کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ان الفاظ کا اصل سرچشمہ ہے۔جیسا کہ اوپر دی گئی معلومات سے واضح ہے کہ ہر طرح کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ قرآن کے مسترد کئے جانے کا کوئی امکان موجود نہیں ہے' کیونکہ اگر قرآن پاک ایک مقدس آسمانی صحیفہ نہیں ہے تو پھر (نعوذ باللہ) یہ ایک مکاری اور چالبازی ہے اور اگر یہ (نعوذ

باللہ) ایک مکاری اور چالبازی ہے تو اس کا سرچشمہ کیا ہے اور کہاں اس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے؟ درحقیقت ان سوالوں کے صحیح جوابات ہی قرآن پاک کے مستند ہونے پر روشنی ڈالیں گے اور یقین نہ لانے والوں کے تلخ اور غیر حقیقی دعووں کو خاموش کر دیں گے۔ یقینی طور پر اگر لوگ یہ اصرار کریں کہ قرآن پاک (نعوذ باللہ) ایک دھوکہ ہے تو پھر ضرور ان کو اس کا کوئی ثبوت فراہم کرنا چاہئے کیونکہ ثبوت کی ذمہ داری ان پر ہے' ہمارے اوپر نہیں۔ کوئی بھی شخص اچھے خاصے تصدیق شدہ حقائق کے بغیر ایسا نظریہ کبھی پیش نہیں کرسکتا۔ اس لئے میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ مجھے کوئی ایک دھوکہ تو بتاؤ۔ دیکھو قرآن پاک نے مجھے کہاں دھوکہ دیا؟ مجھے دکھاؤ' ورنہ یہ مت کہو کہ یہ ایک دھوکہ ہے۔

قرآن پاک کا ایک اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ کس طرح حیرت انگیز عوامل کے متعلق ہمیں بتاتا ہے جو کہ نہ صرف ماضی بلکہ موجودہ دور سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اصل میں قرآن پاک کوئی پرانا مسئلہ نہیں ہے' بلکہ غیر مسلموں کے لئے آج بھی یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ قرآن پاک ہر روز' ہر ہفتے' ہر مہینے اور ہر سال زیادہ سے زیادہ ثبوت لاتا ہے کہ قرآن پاک ان کے مقابل ایک طاقت ہے جس کے مستند ہونے کو کوئی بھی چیلنج نہیں کرسکتا۔ مثال کے طور پر قرآن پاک کی ایک آیت میں ذکر ہوتا ہے:

﴿اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۳۰)

''کیا یقین نہ لانے والے دیکھتے نہیں کہ آسمان اور زمین ایک دوسرے کے ساتھ باہم ملے ہوئے تھے' پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے تخلیق کیا۔ کیا وہ اب بھی یقین نہیں کرتے؟''

یہ بالکل وہی دعویٰ ہے جس پر ۱۹۷۳ء میں ایک کافر (قرآن پر یقین نہ رکھنے والے) جوڑے کو نوبل انعام دیا گیا۔ قرآن پاک کائنات کی تخلیق کے بارے میں انکشاف کرتا ہے کہ کس طرح اس کی ابتداء ایک ٹکڑے سے ہوئی اور انسانیت آج تک اس کی تصدیق کر رہی ہے۔ مزید برآں آج سے چودہ سو سال پہلے لوگوں کو اس بات پر

قائل کرنا کہ تمام زندہ چیزیں پانی سے تخلیق کی گئی ہیں' کوئی اتنا آسان کام نہیں تھا۔ آپ خود سوچیں کہ اگر آج سے چودہ سو سال قبل صحرا میں کھڑے ہو کر آپ اس بات کا دعویٰ کرتے کہ تمام زندہ چیزیں پانی سے تخلیق کی گئی ہیں تو کیا کوئی آپ کی اس بات کا یقین کرتا؟ خوردبین کی ایجاد سے پہلے اس کا ثبوت فراہم کرنا ممکن نہ تھا۔ ان کو اس بات کا انتظار کرنا پڑا کہ خلئے کے بنیادی حصے سائیٹو پلازم کا ۸۰ فیصد پانی پر مشتمل ہے۔ یہ شہادت بالکل درست ثابت ہوئی اور ایک بار پھر قرآن پاک وقت کے معیار پر قائم و دائم ثابت ہوا۔

قرآن پاک میں ایک اور مثال ہے کہ ایک آیت میں مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ ایک بہت محتاط آیت ہے اور اس کی وسعت مذاہب کے انفرادی ارکان کے تعلقات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ لوگوں کے دو گروہوں کے باہمی تعلقات کا مجموعی طور پر خلاصہ بیان کرتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ عیسائی ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ بہتر سلوک کریں گے بہ نسبت یہودیوں کے۔ دراصل اس آیت کے اصلی اور حقیقی معانی سمجھنے کے بعد ہی اس بیان کے بھرپور اثر کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے عیسائیوں اور یہودیوں نے اسلام قبول کیا ہے لیکن مجموعی طور پر یہودی طبقہ اب بھی اسلام کا مشہور دشمن ہے۔ اور بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ قرآن پاک نے اس قدر واضح طور پر اس بات کا اعلان کیا ہے۔ درحقیقت یہ یہودیوں کے پاس ایک سنہری موقعہ ہے کہ وہ قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) غلط ثابت کر سکیں کہ یہ ایک آسمانی صحیفہ نہیں ہے۔ ان سب کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو منظم کریں اور کچھ سال مسلمانوں کے ساتھ بہترین سلوک کریں اور پھر کہیں کہ اب تمہاری مقدس کتاب ان کے متعلق کیا کہتی ہے جو دنیا میں اب ایک دوسرے کے بہترین دوست ہیں؟ کیا تمہارے بہترین دوست عیسائی ہیں یا یہودی؟ دیکھو' ہم یہودی تمہارے ساتھ کتنا اچھا سلوک کر رہے ہیں! ان کو یہ تمام چیزیں کرنی ہوں گی قرآن پاک کو غیر مستند ثابت کرنے کے لئے' جو کہ انہوں نے چودہ

سو سال تک نہیں کیا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح یہ پیشکش ان کے لئے اب بھی موجود ہے۔

قرآن پاک کی سولہویں سورۃ (النحل) میں شہد کی مکھی کا تذکرہ (مؤنث کے صیغے میں) کیا گیا ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے) کہ مادہ مکھی خوراک حاصل کرنے کے لئے اپنے چھتے سے نکلتی ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے ہمیں ایک ماہر کی خدمات حاصل کرنا پڑیں اور اس ماہر نے یہ انکشاف کیا کہ نر مکھی خوراک حاصل کرنے کے لئے کبھی بھی چھتے سے باہر نہیں نکلتی۔

شیکسپیئر (Shakespear) کے ایک ڈرامے ہنری دی فورتھ (Henry the Fourth) میں کچھ کردار مکھی کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ مکھیاں سپاہی ہیں اور ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے۔ شیکسپیئر کے دور میں لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ جو مکھیاں ہمیں اِدھر اُدھر دکھائی دیتی ہیں نر مکھیاں ہیں۔ یہ اپنے چھتے میں جاتی ہیں اور اپنے بادشاہ کو جواب دیتی ہیں، جو کہ ہر حال میں غلط تھا۔ درحقیقت یہ مادہ مکھیاں ہیں اور یہ اپنی ملکہ کو جواب دہ ہوتی ہیں، جبکہ جدید سائنسی تحقیق کو اس بات کو سمجھنے کے لئے تین سو سال سے زیادہ کا عرصہ لگا۔

قرآن پاک میں سورج کے متعلق بھی ذکر ہے کہ کس طرح یہ خلا میں سفر کرتا ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ یہ اپنی ہی حرکت کے نتیجے میں چلتا ہے۔ خلا میں سورج کی اس حرکت کو بیان کرنے کے لفظ ''سَبَحَ'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ عربی کے لفظ ''سَبَحَ'' کے اصلی مفہوم کو سمجھنے کے لئے پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس لفظ کی تفصیلی وضاحت کو سمجھے۔ اس کے لئے یہ مثال بیان کی جاسکتی ہے کہ اگر ایک شخص پانی میں ہو تو اس کی حرکت کو ظاہر کرنے کے لئے عربی کا لفظ ''سَبَحَ'' (تیرنا) استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے حرکت کر رہا ہے نہ کہ کسی ایسی قوت کی وجہ سے جو کہ باہر سے براہِ راست اس کے جسم پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورج بغیر کسی قسم کے کنٹرول کے خلا میں اڑ رہا ہے، یعنی کہ اس کو فضا میں پھینکا گیا ہے، بلکہ اس کا انتہائی سادہ مطلب یہ ہے کہ اس کی حرکت مُڑنے

اور گھومنے کی وجہ سے ہے اور قرآن پاک اسی بات کی تصدیق کرتا ہے۔ کیا یہ دریافت کرنا اتنی آسان بات تھی؟ کیا کوئی عام شخص یہ بتا سکتا ہے کہ سورج (اپنے ہی محور کے گرد) گھوم رہا ہے؟ صرف جدید دور میں ہی حساس آلات کا حصول ممکن ہو سکا اور جس سے سورج کے عکس کو میز کے اوپر واضح کرنے کے بعد اس کا مطالعہ کیا گیا۔ اور اس سارے عمل کے دوران یہ دریافت کیا گیا کہ نہ صرف سورج پر تین نشانات ہیں بلکہ یہ نشانات ہر پچیس دن میں ایک بار حرکت کرتے ہیں اور اس حرکت کو سورج کی اپنے ہی محور کے گرد حرکت سے ظاہر کیا گیا۔ اور نتیجتاً یہ بات ثابت ہوگئی جو قرآن پاک نے آج سے چودہ سو سال قبل بیان کی اور وہ یہ کہ خلا میں سورج کی حرکت اس کی محوری گردش کی وجہ سے ہے اور ایک بار پھر قرآن پاک وقت کے معیار پر قائم دائم ثابت ہوا۔

اگر چودہ سو سال قبل کے دور پر نظر دوڑائی جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ لوگ وقت کی حلقہ بندی سے بالکل ناواقف تھے اور اس کے بارے میں قرآن پاک کے بیانات حیرت انگیز طور پر واضح ہیں۔ یہ بات حیران کن حد تک درست ہے، حتیٰ کہ اس جدید دور میں بھی۔ اور وہ یہ کہ ایک ہی وقت میں ایک خاندان دوپہر کا کھانا کھا رہا ہے اور اسی وقت ایک خاندان شام کے کھانے سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک شخص ایک دن میں تیس میل سے زیادہ سفر نہیں کر سکتا تھا اور اگر وہ انڈیا سے مراکش کے سفر پر نکلتا تو اس کو مسلسل کئی مہینے درکار ہوتے۔ اور یقیناً جب وہ مراکش میں شام کا کھانا کھاتا تو دل میں سوچتا کہ اس کے گھر والے بھی انڈیا میں اس وقت شام کا کھانا کھا رہے ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ وہ وقت کی ایک حلقہ بندی کو اپنے سفر کے عمل کے دوران عبور کر چکا ہے۔ تاہم یہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں جو سب کچھ جانتا ہے۔ قرآن پاک اس عمل کو ایک دلچسپ آیت سے بیان کرتا ہے کہ کس طرح تاریخ ختم ہو جائے گی اور قیامت کا دن آ جائے گا۔ یہ سب کچھ ایک لمحے میں ہو جائے گا اور یہ انتہائی لمحہ کچھ لوگوں کو دن کے وقت اور کچھ لوگوں کو رات کے وقت پکڑے گا۔ یہ آیت بالکل واضح طور پر اللہ

تعالیٰ کی بے پناہ حکمتوں اور علم غیب کو ظاہر کرتی ہے جو وقت کی حلقہ بندی کے بارے میں ہے' جبکہ یہ نظریہ آج سے چودہ سو سال پہلے وجود ہی نہیں رکھتا تھا اور یقینی طور پر نہ کسی شخص کی آنکھ اور نہ ہی کسی شخص کا تجربہ اس عمل کو ملاحظہ کر سکتا تھا۔ درحقیقت یہ بذات خود قرآن پاک کے مستند ہونے کا ایک ثبوت ہے۔

یقینی طور پر کوئی بھی شخص قرآن پاک کے بہترین اندازوں کو طویل سے طویل کر سکتا ہے' لیکن مندرجہ بالا باتوں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ محمد ﷺ نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا' اس کے باوجود آپ ﷺ نے کس طرح ہزارہا موضوعات کے متعلق کبھی ایک بھی غلطی کئے بغیر بالکل درست انداز ے پیش کئے۔ ان تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نظریئے کو اسلام کے سخت ترین دشمنوں نے بھی رد کر دیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ قرآن پاک کے مصنف تھے۔

درحقیقت قرآن پاک ان تمام قسم کے دعوؤں کی لوگوں سے توقع رکھتا ہے۔ یقینی طور پر اگر کوئی شخص کسی اجنبی ملک میں داخل ہوتے ہی کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ میں تمہارے باپ کو جانتا ہوں اور میں اس سے ملا ہوں تو وہ شخص آنے والے اجنبی شخص کی بات کا یقین نہ کرے گا اور اس سے کہے گا کہ تم تو اس جگہ پر نئے آئے ہو تم میرے باپ کو کیسے جان سکتے ہو؟ نتیجتاً وہ اس آنے والے اجنبی شخص سے سوال کرے گا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ میرا باپ لمبا ہے' چھوٹا ہے' کالا ہے یا گورا ہے؟ وہ کیسا ہے؟ یقینی طور پر اگر آنے والا اجنبی شخص اس شخص کے تمام سوالوں کا صحیح طور پر جواب دے دیتا ہے تو پوچھنے والا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میرا خیال ہے کہ تم میرے باپ کو جانتے ہو' میں نہیں جانتا کہ تم میرے باپ کو کس طرح جانتے ہو' لیکن واقعی تم جانتے ہو۔ اور بالکل یہی صورت حال قرآن پاک کے ساتھ ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ (قرآن پاک) اُس ہستی کی طرف سے ہے جو ہر چیز کی تخلیق کرنے والا ہے۔ تو ہر شخص کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ کہے کہ مجھے قائل کرو' اگر اس کتاب کے خالق نے واقعتاً زندگی اور زمین و آسمان کی ہر چیز کو تخلیق کیا ہے تو

اس کو ان سب کے بارے میں اور دوسری بھی بہت سی چیزوں کے بارے میں علم ہونا چاہئے۔ قرآن پاک پر تحقیق کے بعد ہر کوئی یقیناً یہ سچائی جان لے گا۔

مزید برآں ہم سب یقینی طور پر کچھ نہ کچھ جانتے ہیں لیکن ہم سب اتنے ماہر نہیں ہیں کہ ہم ہر اُس چیز کی تصدیق کر سکیں جس کا قرآن پاک دعویٰ کرتا ہے۔ ایک شخص کا ایمان (یقین) بڑھتا جاتا ہے جوں جوں وہ ان سچائیوں کی تحقیق اور تصدیق کرتا ہے جو قرآن پاک میں موجود ہیں۔ ہر شخص کو زندگی بھر ایسا کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچائی کے قریب پہنچنے کے لئے راہنمائی عطا فرمائے۔ آمین!

گیری ملر

☆ ☆ ☆

درحقیقت گیری ملر اور پروفیسر کیتھ مور جیسے ہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا' جو مؤمنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے' جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے''۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَرَبُّكَ الْغَنِىُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝﴾ (الانعام:۱۳۳،۱۳۴)

''تمہارا ربّ بے نیاز ہے اور مہربانی اس کا شیوہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور تمہاری جگہ دوسرے جن لوگوں کو چاہے لے آئے جس طرح اس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اٹھایا ہے۔ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا۝﴾ (النساء:۱۳۳)

''اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔ اور اللہ کو یہ قدرت حاصل ہے۔''

اور جو لوگ یہودیوں، عیسائیوں اور کافروں سے مدد مانگنے جاتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝﴾ (المائدہ:۵۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر ان ہی میں سے ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے''۔

چند دعائیں

﴿.....رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا۝﴾ (النساء:۷۵)

''اے ربّ ہمارے! نکال ہم کو اس بستی سے کہ جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے واسطے اپنی طرف سے کوئی حمایتی اور مددگار پیدا کر دے!''

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ

الصّٰلِحِیْنَ ﴿النمل:۱۹﴾

''اے میرے ربّ! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کروں تیری اُس نعمت کا جو تو نے مجھ پر عنایت کی اور میرے والدین پر' اور یہ کہ ایسا نیک کام کروں جو تو پسند کرے' اور مجھ کو داخل کر لے اپنی رحمت میں اپنے عبادت گزار نیک بندوں کے ساتھ۔''

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام:۱۶۲)

''میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔''

اور آخر میں اس دعا کے ساتھ کہ:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۞ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۞ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۞﴾

''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ رحمان اور رحیم ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنا انعام کیا' جو معتوب نہیں ہوئے اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔''

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی وفکری اور دعوتی وتحریکی کاوشوں کا نچوڑ

دعوت

رجوع اِلی القرآن

کا منظر و پس منظر

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

ذات پات کی نفسیات اور اسلام (۲)

تحریر: عبدالغفور عاجز

ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کو دو عالمگیر اور آفاقی بنیادوں پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے۔ ایک وحدتِ الٰہ اور دوسری وحدتِ انسانیت۔ وحدتِ الٰہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو انسان کی غلامی سے اور ہر مخلوق کی غلامی سے نکال کر صرف ایک خدا کی غلامی اختیار کرنے کی دعوت دی جائے۔ ربّ العالمین جو سب کا خالق و مالک اور ربّ ہے، جس کے نزدیک سب انسان، سب قومیں اور سب ملک برابر ہیں، اس کی الوہیت و حاکمیت کا جھنڈا بلند کر کے کائنات کو اس کے نیچے برابری اور کامل مساوات کی بنیاد پر جمع ہو جانے کی دعوت دی جائے۔ آج انسان محدود دائروں اور خود ساختہ حد بندیوں میں محبوس ہے۔ اب اسے ان حد بندیوں سے نکلنے اور وحدتِ آدم کی بنیاد پر جمع ہونے کی دعوت دینا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا پیغام یہ ہے کہ سب انسان ایک نسل سے ہیں، پوری انسانیت ایک باپ کی اولاد ہے اور سب مسلمان ایک دوسرے کے اعضاء کی مانند ہیں۔

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں دوسرے قبائل کے نمائندے اور دوسری سلطنتوں کے وفود آتے تو انہیں پہچاننے میں دِقت ہوتی کہ اس مملکت کا حکمران کون ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر صحابہ نے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا کہ آپ ﷺ اس پر بیٹھا کریں۔ آپؐ نے اسے دیکھا تو غصے سے چہرہ تمتما اٹھا۔ چبوترے کو ٹھوکر مار کر گرا دیا اور فرمایا کہ تم لوگ امتیاز پیدا کرنے لگے ہو جسے مٹانے کے لئے مَیں آیا تھا، تم نے آج مٹی کا چبوترہ بنایا ہے، بعد میں آنے والے اسے تختِ حکومت میں تبدیل کر دیں گے۔ ایک بار جب آپ ﷺ تشریف لائے تو صحابہ تعظیم کے لیے وہ کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ عجمیوں کا دستور ہے، ایسا نہ کیا کرو۔ گویا کہ ہمارے

سے غرور وتکبر اور امتیاز واضح ہوتا ہے جو کہ دین اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔

اسلام میں ایک دوسرے سے الگ اور بکھرے ہوئے مسلمانوں کا کوئی تصور نہیں۔ وہ تو ایک دوسرے کو باہم ملا کر ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے جس میں مسلمان آپس میں اس طرح پیوست ہوں جس طرح ایک جسم کے تمام اعضاء۔ اور یوں دین اسلام کی سب سے نمایاں خوبی آپس کی اخوت اور اتحاد ہے جبکہ کفر کی سب سے نمایاں خرابی آپس کا بغض اور افتراق ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام مؤمنین گویا ایک شخص کی طرح ہیں۔ اگر اس کی ایک آنکھ دکھتی ہے تو اس کا سارا جسم ہی دکھتا ہے' اور اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا سارا جسم دکھتا ہے''۔ (مسلم)

نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے جو دین ہمیں نصیب ہوا ہے وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک کنبہ قرار دیتا ہے اور انہیں اخوت ومحبت کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ اس کے ہاں رنگ ونسل' قوم ووطن اور زبان وبیان کی کوئی حیثیت نہیں' بلکہ دین اسلام نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: ((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ)) (بخاری' کتاب المظالم والغصب' باب لا یظلم المسلم المسلم) صحیح مسلم کی روایت ہے میں ان الفاظ کے ساتھ لَا يَحْقِرُهُ کا اضافہ بھی ہے' یعنی وہ اسے حقیر نہیں سمجھتا۔ بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ ایک مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے۔ ((بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ)) (مسلم) قرآن پاک میں یہی تعلیم ان الفاظ میں ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات) ''تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ حضور اکرم ﷺ نے رنگ ونسل اور حسب ونسب کے فرق کو مٹاتے ہوئے فرمایا کہ: ((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ)) (بخاری' کتاب الادب) ''مسلمان ایک دوسرے سے مل کر دیوار کی طرح مضبوط ہو جاتے ہیں' کیونکہ دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصے کے ساتھ مل کر مضبوط

ہو جاتا ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھائیں کہ کس طرح ایک حصّے کو دوسرے سے قوّت ملتی ہے۔

بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ برگزیدہ واعلیٰ انبیاء ہیں۔ جو لوگ اپنے آباء و اجداد کے اعلیٰ حسب ونسب پر فخر کرتے ہیں ان میں سے بعض اپنا سلسلۂ نسب انبیاء و صحابہ تک پہنچنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس نظریئے پر اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں کہ ﴿تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۱۳۴) ''یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی۔ اس کا کیا اس کے لئے اور تمہارا کیا تمہارے لئے' اور تم سے ان کے کئے کی بابت نہیں پوچھا جائے گا''۔ گویا کہ اہل جاہلیت اس پر بھی فخر کرتے تھے کہ وہ انبیاء کی نسل میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی غرور کی تردید مذکورہ بالا آیت میں فرمادی۔ حضور اکرم ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((یَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئاً)) ''اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! میں تم کو اللہ کی طرف سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا''۔ اس سے عیاں ہے کہ حسب ونسب میں تقویٰ و پرہیز گاری اور اعمال کام آئیں گے نہ کہ آباء واجداد کے اعلیٰ کارنامے۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جاہلیت کی چار باتیں میری اُمت میں باقی رہ جائیں گی جن کو لوگ نہیں چھوڑیں گے: حسب میں فخر کرنا' نسب میں طعنہ مارنا' ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا' اور نوحہ کرنے والی عورت۔ یہ عورت اگر توبہ کئے بغیر مرگئی تو قیامت کے دن اس حالت میں اٹھائی جائے گی کہ اس کے بدن پر تارکول کا کرتا اور خارش کی قمیض ہوگی''۔ حسب میں فخر یہ ہے کہ اپنے باپ دادا کا نام لے کر فخر کرنا اور نسب میں طعنہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے آباء واجداد کی حقارت کے لئے ان پر طعنہ مارنا اور ان کے مقابلے میں اپنے آباء واجداد کو فوقیت دینا۔ اسلام نے اس نظریئے کو غلط اور جاہلانہ نظریہ قرار دیا ہے۔ اسلام تعمیر انسانیت چاہتا ہے۔ مثل مشہور

ہے کہ ذاتی شرافت کے مالک بنو' مُردہ پرست مت بنو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اِنَّ الْفَتٰی مَنْ یَقُوْلُ ھَا اَنَاذَا
لَیْسَ الْفَتٰی مَنْ یَقُوْلُ کَانَ اَبِیْ

''بہادر وہ ہے جو خود کو بہادری میں پیش کرے۔ بہادر وہ نہیں جو کہے میرے والد بہادر تھے''۔

اور اس موضوع پر کسی نے کہا ہے کہ ؎

اقول لمن غدا فی کُلِّ یوم یباھینا باسلاف عظام
اَتَقْنَعُ بالعظام وانت تدری بان الکلب یقنع بالعظام

''جو شخص اپنے بزرگوں کا نام لے کر فخر کرتا ہے میں اس سے روزانہ کہتا ہوں کہ تم ہڈیوں پر قناعت کرتے ہو' حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ ہڈیوں پر تو کتے قناعت کرتے ہیں''۔

چنانچہ ذات پات کے پُرخطر اور زہریلے نظریئے کا شرعی آلات سے آپریشن ازحد ضروری ہے' تاکہ معاشرے کا یہ ناسور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اس کے لئے ہمیں انفرادی' ذاتی اور اناپسندی پر مبنی تمام خواہشاتِ غیر شرعی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا ہوگا۔ رنگ' نسل' قبیلہ' ذات' برادری' ملک اور قوم کی تفریق محض تعارف کے لئے ہے کہ یہ فلاں ملک کا رہنے والا ہے' یہ فلاں قبیلے کا ہے' تفاضل کے لئے نہیں۔ ان چیزوں کی بناء پر کوئی تعصب' تفریق یا امتیاز پیدا کرنا سراسر غلط ہے اور انسانیت کی توہین اور اسلامی اصولوں سے انحراف کے مترادف ہے۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط﴾ (الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے' اور ہم نے تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے ہیں تاکہ تمہاری باہم پہچان ہو سکے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔

مزید فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مرد و عورت (زمین پر) پھیلا دیئے''۔

حضور اکرم ﷺ نے آخری حج کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی وَلَا فَضْلَ لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ)) (طبرانی)

''کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں' اور کسی عجمی کو کسی عربی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ تم سب آدم سے پیدا ہوئے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

یہی دو بنیادیں (وحدت الٰہ اور وحدتِ آدم) بنی نوع انسان کو قوم پرستی اور طبقاتی جنگ کے بھوت سے نجات دلا سکتی ہیں۔ باقی جو تدابیر بھی اختیار کی جائیں گی وقتی 'عارضی اور محض اوپری ہوں گی۔ ایسی تدبیریں انسان ایک عرصہ سے آزما رہا ہے۔ اگر اسے اپنے مستقبل کا خیال نہیں ہے تو ابھی مزید وہ یہی آزمائش کرتا رہے۔

علامہ اقبال جنہیں علم و ادب کا سرچشمہ قرار دیا جا سکتا ہے' ان کے کلام کے زلالِ شیریں سے تشنگانِ حکمت و آگہی پہلے بھی تسکین پاتے رہے ہیں اور آئندہ بھی اس صدقہ جاریہ کا روز افزوں فیضان علم' تدبر و تفکر اور حقیقت کے متلاشیوں تک پہنچتا رہے گا۔ ذات پات کے بارے میں حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے ایک جگہ اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے کہ :

''کسی قوم کی تاریخ اس کے حافظہ کی مانند ہوتی ہے..... سب جانتے ہیں کہ انسان کی شخصیت کا دارومدار اس کی یادداشت پر ہوتا ہے۔ کوئی انسان اگر اپنی یادداشت ضائع کر بیٹھے تو اسے اپنا نام' مقام' بلکہ کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ گویا وہ یادداشت کے ضائع ہونے سے اپنی شناخت گنوا بیٹھتا ہے۔ کچھ ایسا ہی ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ یہ امر جملہ اہل اسلام کو معلوم ہے کہ ہماری تاریخ' ہماری

شناخت اور ہمارا مالہ و ماعلیہ بھی کچھ اسلام ہے۔ اسلام کوئی ذات پات' علاقہ' وطن یا رنگ اور زبان کا نام نہیں' بلکہ وہ نظریۂ حیات اور اساسِ زندگی ہے جو ہمیں پوری دنیا سے ممیّز و ممتاز کرتا ہے۔ مختلف برّ اعظموں' متعدد قوموں' متنوع زبانوں اور گوناگوں رنگوں کو اسلام نے کچھ اس طرح اپنے اندر جذب کیا کہ وہ سارے علاقے' قومیں' زبانیں اور رنگ اسلام میں ڈھل کر مسلمان کہلائے اور یہی ان کی بین الاقوامی شناخت ٹھہری۔''

(شذرات فکر اقبال' مرتبہ جسٹس جاوید اقبال)

آج پاکستان کے خلاف جہاں صہیونیت' ہنود' یہود' اشتراکی' کمیونسٹ عناصر اور اسلام دشمن مغربی عیسائیت کی سازشیں برسرِ پیکار ہیں اور پوری کوشش سے اس خداداد اسلامی مملکت کو کسی نہ کسی انداز میں ختم کرنے پر تلی ہوئی ہیں' وہاں پاکستان کے اندرونِ خانہ بعض امراضِ جان لیوا بھی کسی سازش سے کم نہیں۔ ان میں علاقائی تعصب' لسانی تعصب' صوبائی تعصب' نسلی و خاندانی برتری کا غرور اور نسلی و حسب و نسب کی تحریکیں ہیں جو کہ ایک اسلامی معاشرے کے اندر زہر ہلاہل کی حیثیت سے قطعاً کم نہیں۔

پوری اُمت مسلمہ ایک حیثیت کی مالک ہے اور اسے ایک قوم کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اکابرین' محققین اور محدثین کے علاوہ اصول و ضوابط کے مرتّبین و بانیان نے اس بات کو بزور اور مدلّل انداز میں بیان کیا ہے۔

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے جملہ مسلمانانِ عالَم کی وحدت کے سلسلہ میں کیا خوب فرمایا : ع

جو چاہے کہ خوش ان سے مل کر ہو انساں — تو ہے شرط وہ قوم کا ہو مسلماں
نشاں سجدے کا ہو جبیں پر نمایاں — تشرع میں اس کے نہ ہو کوئی نقصاں

مولانا حالی ایک جگہ مسلمانانِ عالَم کے باہم نسلی و حسبی تعصب میں پڑنے پر افسوس کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں درسِ اخوت و محبت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ع

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے — مصیبت میں یاروں کے غم خوار ہوتے
سب ایک اک کے باہم مددگار ہوتے — عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے

جب الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

حالی نے اپنی مسدس میں قومِ مسلم کو پیغامِ اخوت دیا اور اپنے مخصوص اندازِ بیاں کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ اسلام ہمدردی وغم خواری' ایثار و مروّت' اخوت و محبت' شفقت و رحمت اور مودّت و موانست کا پیامبر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان مادی' ذاتی اور انفرادی بندشوں سے آزاد ہو کر باہم نیک خو' سنجیدہ' بردبار' صابر' اسلام کے شیدائی اور سادگی پسند ہوں' صوم وصلوٰۃ کا التزام کرنے والے اور خوش اخلاق' پاکیزہ کردار کے مالک' احسن گفتار کے داعی اور اسلامی تعلیماتِ اخوت و محبت کے عامل و عالم ہوں تو کامیابی و کامرانی دُور نہ ہوگی' شادمانی و شادابی قدم چومے گی' ہنود و یہود ہم سے دُور اور ہم نسلی و خاندانی' لسانی و علاقائی تعصّبات سے محفوظ رہیں گے۔ ان ثمرات کے حصول کے لئے ہمیں ذات پات کے بُت توڑنا پڑیں گے۔

دین اسلام نے ہمیں جو اعزازات بخشے ہیں ان کی روشنی میں ہم اگر دیکھیں تو یہ اللہ ربّ العزت کی نعمتیں ہیں۔ اُخوّت و محبت جیسی نعمت کی ہم لوگوں نے کوئی قدر نہ کی اور اپنی اپنی علیحدہ پگڈنڈیوں پر چل دیئے۔ اسلام کہ جس نے آباء واجداد کی کورانہ تقلید و پیروی اور قومی' وطنی' لسانی تعصّبات کے بتوں کو پاش پاش کیا' جس نے بُت پرستی' عقائد باطلہ کے توہمات اور خیالات فاسدہ کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کیا اور جس نے قومی' ملکی اور خاندانی امتیاز پر اپنی شرافت و برتری کی بنیاد رکھنے والوں کو جھنجوڑا اور انہیں اس ہلاکت سے نجات دی' جس نے ہوا و ہوس کے اسیروں کو عقل و خرد کی آزادی کی قدر و قیمت بتا کر انہیں عالی حوصلگی و اولوالعزمی عطا فرمائی' اسلام ہی ان صحیح اصول و ضوابط کا مجموعہ ہے جو بنی آدم کے تمام حقوق ادا کرنے کا جذبہ پیدا کرتا اور انہیں صحیح معنی میں انسان بناتا ہے۔ اور اسلام ہی وہ دین ہے جس پر چلنے والا' خواہ عورت ہو یا مَرد' چھوٹا ہو یا بڑا' گورا ہو یا کالا' اپنے علاقے کا ہو یا اجنبی' وہ ان سب کو بلا امتیاز صحیح معنوں میں منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

پاکستان کو آج ذات پات کی بے رحم پابندیوں نے زہر آلود کر رکھا ہے۔ ہندو تہذیب سے مستعار لی ہوئی ان نظریاتی اور تصوراتی سرحدوں نے قومِ مسلم کو کئی گروہوں میں بانٹ رکھا ہے۔ مسلمان بھول گئے ہیں کہ وہ ایک مستقل قوم ہیں' نہ کہ مختلف قوموں کا اُمڈتا ہوا سیلاب۔ اور اسلامی معاشرے کو منتشر کرتی ہوئی یہ مصنوعی حسب ونسب پر مبنی پگڈنڈیاں کہیں بھی آپس میں ملنے والی نہیں۔ صحیح اسلامی تعلیمات کی رو سے سب مانتے ہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں' ان کا ایک الگ ضابطۂ حیات ہے اور ان کی معیشت ومعاشرت دوسری اقوام سے منفرد ہے۔ یہی وہ قوم ہے جو اپنے مالک وخالق کی حقیقی نمائندہ ہے۔ دنیا جہاں کی سب سرداری اس کا حق ہے۔ مگر صد حیف کہ مسلمان اپنے آپ کو اُمت واحدہ کی بجائے مسلم قوم کو مصنوعی ذیلی گروپوں' کمپنیوں' ذاتوں اور باتوں میں منقسم کئے بیٹھے ہیں اور اسی میں اپنی فوز وفلاح سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بار ذات پات کے نظریئے کے حامی ایک جگہ اکٹھے بیٹھے تھے اور ان میں سے ایک شخص بڑے غرور اور فخر سے کہہ رہا تھا کہ ہماری ذات وہ ذات ہے جس پر قرآن اتارا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن تو ھدًی للعالمین اور ذکریٰ للعالمین ہے' دنیا جہان کے بسنے والوں کے لئے قیامت تک ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یوں ہم اصولِ شریعت سے روگردانی کرتے ہوئے خود کو اس انداز میں معاشرے کا سرخیل ثابت کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے ذاتی تقدس کو مذہبی تقدس پر فوقیت دیتی ہے اور دین اسلام کے اصول وضوابط کو پامال کرتے ہوئے اپنے مصنوعی حسب ونسب اور نسلی امتیازات پر مبنی قوانین کو ترجیح دے کر انہیں اپنا اوڑھنا بچھونا اور کامیابی وکامرانی کے لئے ناگزیر سمجھ بیٹھتی ہے تو پھر وہ قوم دنیا کے نقشے پر نظر نہیں آتی بلکہ رسوائی اس کا مقدر بن جایا کرتی ہے۔

حکم خداوندی ہے کہ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی رسّی (قرآن وسنّت پر مبنی اصول وضوابط) کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں فرقہ فرقہ نہ بنو''۔ اس کی اگر مزید توضیح وتشریح کی جائے تو یہ بات

روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں دین اسلام میں فرقہ بندی منع ہے وہاں ہر قسم کا فرقہ بننا بھی منع ہے۔ میری مراد مذہبی فرقہ بازی کے علاوہ حسب ونسب، نسلی امتیازات اور ذات پات میں بٹ جانا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی فرقہ بازی ہے۔ اگر مذہبی فرقہ بندی اجتماعیت کو مجروح کرتی ہے تو ذات پات اور نسلی غرور وتکبر اس سے بڑھ کر بڑا زہر ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم فرماتے ہیں کہ:

''قرآن حکیم ظہور شریعت ونزولِ وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا ہے کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہو اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ وانتشار شریعت ووحی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے..... اور اس بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت رکھا ہے اور جماعت سے علیحدگی کو جاہلیت اور حیاتِ جاہلی سے تعبیر کیا ہے..... یہ اس لئے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں، ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لئے ہیں کہ ان کے اجتماع وتالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو..... سو ان تمام تصریحات میں بھی اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق اینٹوں کا نام نہیں ہے، دیوار کا نام ہے۔ الگ الگ کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ ہے تو اجتماعی وجود ہے۔ یعنی دیوار کا ایک ایک جزو ہے۔ اور انہی اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے..... پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت''۔ (مسئلہ خلافت، صفحہ ۱۵ تا ۴۱)

مفکر اسلام علامہ اقبال کی زندگی کا بڑا حصہ اسی اضطراب میں گزرا کہ ملت کو کس طرح متحد کیا جائے۔ وہ رنگ ونسل کی تمیز کو آدم کشی کے مترادف سمجھتے تھے، بلکہ رنگ کی تمیز کو اقبال بُت پرستی قرار دیتے ہیں۔ اقبال اس تصورِ قومیت کو جو وطن، نسل اور رنگ کے امتیاز پر استوار ہے ''بُت نا ارجمند'' قرار دیتے ہوئے اسے مشرکانہ اور مادہ پرستانہ تصور قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اسلام کا مقصد ملت اسلامیہ کی ایک ایسی عالمگیر برادری کی تشکیل ہے جو زمان و مکان اور رنگ و بو کے تمام امتیازات سے بالاتر ہو۔ اسلام میں قومیت کا واضح تصور اسلامی نظریۂ ملت میں پایا جاتا ہے۔ مسلم ملت کسی مادّی مفادات کے حصول کی خاطر ایک عالمگیر رشتے میں منسلک نہیں ہے اور نہ ہی اشتراکِ زبان مسلمانوں کو ایک الگ گروہ میں منظّم کرتا ہے۔ تمام مسلمانوں کو توحید یعنی خدائے واحد پر ایمان کا عظیم روحانی بندھن ایک وحدت بناتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مسلمان مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں یا وہ مختلف علاقوں کے رہائشی ہوں' ہر مؤمن اسلام کی نظر میں ملت اسلامیہ کے وجود کا جزو لاینفک ہے۔

اسلام کے نظریۂ ملت میں قوم اور قومیت کی جداگانہ حیثیتوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ مسلمانوں کی خواہ اپنی الگ سیاسی تنظیم ہو یا وہ کسی غیر قوم کے سیاسی غلبہ کے تحت محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہوں' وہ آزادی کے لئے کوشاں ہوں یا نہ ہوں' ان تمام باتوں کے باوجود وہ ایک عظیم بندھن میں منسلک ہیں۔ اقبال اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے' مگر یہ جذبہ اگر اس حد تک بڑھ جائے کہ وہ ایمان کا جزو بن کر مسلمانوں کے مذہبی عقائد پر مسلط ہو جائے تو وطن سے ایسا والہانہ لگاؤ علامہ کے نزدیک ملت کے عالمی تصور کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں ؎

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے!

حضور اکرم ﷺ نے مکّہ سے ہجرت فرما کر انسانی رشتوں کو استوار کرنے کے لئے

ایک نئی اور وسیع تر اساس فراہم کی اور مسلمانوں کو ایک روحانی بندھن میں منسلک کر دیا' ایسا بندھن جو تمام علاقائی' نسلی اور لسانی امتیازات سے بالا تھا اور جس کی بناء پر مسلمانوں نے ایک ایسا گروہ منظم کیا جو کہ ایک جسم کی مانند تھا اور جس میں خونی رشتوں کو بھی اس عظیم روحانی رشتہ سے کم تر حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ میدانِ بدر میں مسلمانوں نے خود اپنے ان قرابت داروں کے خلاف تلوار اٹھائی جو اسلام کے دشمن تھے۔

اسلام چونکہ انسان کی حریت و مساوات کا علمبردار ہے اس لئے وہ ہر ایسے نظام کو راستے سے ہٹا دینا چاہتا ہے جو انسان کو انسان کا غلام بنائے یا جو انسانیت کی تقسیم کرے۔ تمام جاہلی (غیر اسلامی) نظریات اور نظام ان ہی نظریات پر قائم ہوتے ہیں۔ بادشاہت کا نظام ہو یا آمریت کا' قومیت کا ہو یا وطنیت کا' نسلی امتیاز کا ہو یا گروہی اور طبقاتی حد بندیوں کا' یہ سب انسان کو انسان کا غلام بناتے ہیں۔ اسلام ان سب کو ملیامیٹ کر کے صرف خدا کی غلامی کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ پر ہے۔

جنگ قادسیہ میں اسلامی لشکر کے وفد نے فارسی سپہ سالارِ افواج رستم کو جو جواب دیا تھا اس سے جہاد کی اصل حقیقت اور اسلامی تحریک میں اس کے مقام پر روشنی پڑتی ہے۔ اور دوسری طرف بلا امتیاز رنگ و نسل انسان کی حریت و مساوات کی دلیل مہیا ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ:

> ''ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم انسان کو اپنے جیسے انسانوں کی غلامی سے نکال کر صرف خدائے واحد کی بندگی کی طرف لائیں' دنیا کی تنگی سے نکال کر انہیں دنیا کی فراخی سے بہرہ ور کریں' اور انہیں ادیان و مذاہب کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلامی عدل سے ہمکنار کریں۔''

اسلام کے اجتماعی عدل و مساوات اور انسانی بنیادی حقوق پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ انسان کو جو حقوق عطا کئے گئے ہیں ایک جیسے ہیں۔ مثلاً جان کی حرمت کا حق' عزت و ناموس کا تحفظ' معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ' معاشی تحفظ' عدل و انصاف' نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون کا حق' حق

مساوات' سیاسی کارفرمائی میں شرکت کا حق' آزادی کا تحفظ' ملکیت کا تحفظ' عورتوں کی عزت و ناموس کا تحفظ' نجی زندگی کا تحفظ' ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاج اور چارہ جوئی کا حق' اظہارِ رائے کی آزادی کا حق' آزادیٔ ضمیر و عقیدہ کا حق' مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق' آزادیٔ اجتماع کا حق' دوسروں کے اعمال سے بریٔ الذمہ ہونے کا حق' محض شکوک و شبہات پر کوئی کارروائی نہ کئے جانے کا حق۔ یہی حقوق امیر کے ہیں اور غریب کے بھی' کمزور انسان کے بھی اور طاقتور کے بھی۔ رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر یہ حقوق حاصل ہیں تو حسب و نسب کا غرور و تکبر کیسا!

اسلام نے انسانوں پر سب سے بڑا احسان یہ کیا ہے کہ اس نے ہر قسم کے نسلی تفاخر' تعصّبات اور امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر نظریاتی بنیادوں پر عالمگیر انسانیت کے قیام کی دعوت دی ہے اور سرمایہ داروں' حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں کی لوگوں کے قلب و ذہن پر اجارہ داری کو ختم کر کے صرف قانونِ خداوندی کی اتباع میں عدلِ اجتماعی کو اپنانے کی طرف راغب کیا ہے۔ اسلام کی اس عالمگیر تعلیم کا عملی نمونہ آنحضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات تھی۔ آپؐ کے اس کردارِ عظیم کی جھلک صحاحِ ستہ میں جگہ جگہ ملتی ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے کہ: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ...﴾ یعنی ''تمام بنی نوعِ انسان کو ہم نے (یکساں طور پر) واجب التکریم بنایا ہے''۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ....﴾ ''اللہ ربّ العزت کے نزدیک واجب التکریم وہی ہے جس نے تقویٰ کو اپنا شعار بنایا ہو''۔ ان احکاماتِ خداوندی کی عملی تفسیر پیش کرتے ہوئے نسلی تفاخر و امتیاز مٹانے والے (ﷺ) نے فرمایا کہ ''اگر تم پر کوئی ایسا حبشی غلام بھی جس کا سر کشمش کی طرح چھوٹا ہو' امیر بنا دیا جائے' تو جب تک وہ کتاب اللہ اور سنّت کے مطابق نظام چلائے اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو''۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ نے تو انسانوں کے گلے سے انسانوں کی غلامی کے طوق اتار دیئے تھے' ظلم و استبداد کا خاتمہ کر دیا تھا' نسلی امتیازات' جاگیرداریت' سرمایہ داریت' مذہبی

پیشوائیت اور ملوکیت کے تمام آثار مٹا ڈالے تھے' لوگوں کو ان گروہوں کی جکڑ بندیوں سے آزادی دلوائی تھی' لیکن یہ گروہ گہری سازش کے ذریعے بیچاری انسانیت پر پھر مسلط ہو گئے اور انسانیت کو مختلف حیلوں اور استبدادی ہتھکنڈوں کے ذریعے ہراساں کر کے اس کا خون چوسنے لگے۔ آپ ﷺ نے حسب ونسب کے یہ بُت پاش پاش کئے تھے۔

دین اسلام کے عظیم مفکر' دانشور اور ترجمان علامہ اقبال نے ہندوستان میں مسلم قوم کی قریباً ہزار سالہ معاشرتی و معاشی زندگی کا بغور مطالعہ کیا اور جائزہ لیا' فرد و ملت کے رجحانات و جذبات کا بخوبی تجزیہ کرنے کے بعد اس مقامِ احساسِ ملت پر پہنچے کہ اس کا تذکرہ خطبہ الٰہ آباد میں کیا۔ انہوں نے فرمایا:

''میں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصّہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست' تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا...''

اسلامی نظامِ حیات کا مقصد انسان میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تخلیق ہے جس وجہ سے یہ دین فطرت انسان کی معاشرتی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا مقصد جہاں گروہی' نسلی اور علاقائی امتیازات و تعصّبات کی نفی کرنا ہے وہاں افرادِ معاشرہ میں ایسے فضائل پیدا کرنا ہے جن کے مجموعی تاثر کو بلاشبہ و بلاخوفِ تردید اس معاشرے کا تشخص کہا جاسکتا ہے۔ اقبال اس سلسلے میں کہتے ہیں:

''ہماری قوم کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے نہ اشتراکِ وطن ہے' نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی' بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جناب رسالت مآب ﷺ نے قائم فرمائی تھی' اس لئے شریک ہیں کہ مظاہرِ کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے.... اسلام تمام مادی قیود سے بے زاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خالص تہذیبی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل میں وہ جماعت افراد ہے جس میں بڑھنے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے''۔ (بزمِ اقبال لاہور' ۱۹۹۴ء' ص ۱۴)

ذات پات کی نفسیات پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم

احساساتی اور اعتقادی سطح پر آج سے صدیوں پیچھے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ جہاں بہت سی داخلی الجھنوں کا شکار ہے وہاں ذات پات کا اندھیر ابھی اس معاشرے کی بدنصیبی کے مترادف ہو کر رہ گیا ہے۔ ذات پات کی معاشرتی الجھن ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ ذات پات کی نمود و نمائش سے اپنا معیارِ زندگی بلند سمجھنے والے بدترین خوش فہمی میں زندگی کا سفر کر رہے ہیں۔ یہ الجھن انہیں قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے مگر وہ مجبور ہیں اپنی انا کے ہاتھوں، رسم و رواج کے ہاتھوں اور خاندانی قبائے ذات کے لیبل کے ہاتھوں۔ ذات پات کا تعلق انسان کی قبائلی زندگی سے ہے۔ پھر یہ فرد اور قبیلے کی شناخت کا ایک ذریعہ بھی رہا ہے، مگر امتدادِ زمانہ سے جب انسان نے ایک معاشرے کی تشکیل کی تو شناخت کا یہ حوالہ اپنی صورت تبدیل کر گیا۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ذات پات اور کنیت کا رواج ایشیائی اور افریقی ممالک میں ہے۔

۱۸۸۰ء میں زیترن ایبرٹن نامی ایک انگریز افسر نے بڑی محنت سے ایک رپورٹ تیار کی جس میں اس نے برصغیر کی ۴۸۱ ذاتوں کے کوائف کا ذکر کیا ہے۔ برصغیر میں ذات پات کی بنیاد پر معاشرتی تقسیم ہندوانہ مذہب سے متوارث ہندو معاشرے میں مذہب اور پیشے کی بنیادوں پر کی گئی۔ اس ہندوانہ ذہن کا مقصد معاشرے کے مختلف طبقوں کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ رکھنا تھا جس میں وہ نہ صرف کامیاب ہوا بلکہ آج بھی ہندو ذہنیت ہمارے معاشرے کے اندر قائم اور رائج ہے۔ آج خصوصاً پاکستان میں جو مسلم معاشرے میں ذات پات کے حوالے سے شناخت کرائی جاتی ہے وہ بلاشبہ ہندو تہذیب کے اثر کا نتیجہ ہے۔ ہم نے اسلام قبول کرنے کے باوجود اپنے قبائلی شجرۂ نسب کو خود سے الگ نہیں کیا۔ زندگی کے اہم معاملات میں اب بھی ہم ذات پات کے اس ہندوانہ تصور کو بنیاد بناتے ہیں۔

اس سلسلے میں اگر تحقیق کی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ذات کی ایک قسم باہر سے ہجرت کے ذریعے آئی ہے۔ ذات کی دوسری قسم مقامی ذاتیں ہیں جو آج بھی ہندو، مسلم اور سکھوں میں کافی حد تک مشترک ہیں۔ ذات کی تیسری اور اہم قسم پیشے کے

اعتبار سے ہم نے اپنے اوپر مسلط کی ہوئی ہے اور وہ بھی اصول سے ہٹ کر۔ وہ اس لئے کہ ہمارے یہاں موچی، ترکھان، جولاہا کے پیشوں کو نہ صرف ذاتوں میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ ان کو معاشرے کے نچلے درجہ (درجہ چہارم) کے لوگ تک کہا جاتا ہے۔ جب کوئی ذات پات کی نفسیات میں دُور نکل جانے والا کسی کی تحقیر کرنا چاہتا ہے تو وہ نفرت انگیز لہجے میں اسے موچی، ترکھان، لوہار، جولاہا وغیرہ کے الفاظ سے پکارتا ہے۔ لیکن پیشہ کے اعتبار سے اگر کسی قوم کا آدمی کلرک لگ جائے یا ڈپٹی سیکرٹری تو ہم کبھی یہ نہیں کہتے کہ وہ ذات کا کلرک، سیکشن آفیسر یا ڈپٹی سیکریٹری ہے۔ یہ ذات پات کی اس تیسری اور اہم قسم کے اپنے اصول سے بھی متضاد و متفاوت ہے جو کہ معاشرتی ہم آہنگی، اتحاد و اتفاق اور مساوات اور حقوقِ انسانیت کے خلاف بات ہے اور معاشرتی ہم آہنگی کو ختم کرنے کا عمل ہے۔ یہ بات ایک دوسرے سے یگانگت اور اعتماد کو رد کرنے کے مترادف ہے۔ ہم قبائلی یگانگت کو اجاگر کر کے معاشرتی اور ذہنی ترقی کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، جس کا نتیجہ معاشرے میں بیگانگی کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ ہم ذات پات کی لعنت میں ملوث ہو کر متحارب گروہوں میں تقسیم ہونا پسند کرتے ہیں مگر ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ یہ ذاتی اور گروہی تشخص ایک غیر عقلی رویہ ہے جو گروہ کو تو بلاشبہ کسی حد تک مضبوط کرتا ہے مگر دین اسلام اور تعلیماتِ اسلامیہ کے خلاف ہے۔ ان ذاتوں کی سطح پر زندگی بسر کرنے کا یہ افلاطونی اسلوب معاشرے کی یکجہتی، اتحاد اور اتفاق میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ایک انسان حقیقت میں اپنے عمل اور زندگی میں اپنے انتخاب کے ذریعے اپنی زندگی بناتا ہوا اپنے اخلاق و کردار میں وہ انفرادی امتیاز حاصل کرتا ہے جس کا تعلق اس کی ذاتی صلاحیت و کاوش سے ہوتا ہے۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صرف اور صرف ذات پات کی بنا پر تشخص قائم کرنا اور خود کو معیاری ثابت کرنا ایک طرح کی جہالت اور پس ماندگی کے مترادف ہے۔

تاریخ ان لوگوں کو بھی یاد رکھتی ہے جو اچھے کام کرتے ہیں۔ اچھے کام کرنے والوں کا نام سنہری حروف کی صورت میں تاریخ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے کندہ ہو جاتا

ہے اور دوسری طرف تاریخ بُرے لوگوں کو بھی فراموش نہیں کرتی' بلکہ ان کے بُرے اعمال کو اپنے دامن میں یوں سمیٹ لیتی ہے کہ آنے والی قوموں کو ان کے نتائج سے آگاہ کر سکے۔ معروف شخصیات اور مشاہیر کے حالات زندگی کا وہ پہلو آپ دیکھ لیجئے جو ان کی وجہ تشہیر بنا۔ کسی بھی شخصیت کو اس کے نسلی تفاخر نے دوام اور تاریخی حیثیت نہیں بخشی۔ جو بھی مشتہر و معروف ہوا اپنے کردار اور محنت کی بدولت حسب ونسب اور ذات پات کی بندشوں سے آزاد ہو کر ہوا۔

قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں بھی ان کے اچھے اور بُرے اعمال سے بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اچھے اور پائیدار فیصلے کرنی والی قومیں روئے زمین پر اپنے وجود کو تسلیم کروالیتی ہیں جبکہ بُرے اعمال اور کردار کا مظاہرہ کرنے والی قومیں نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ اچھے بُرے اعمال ہی اعلیٰ اور ادنیٰ ہونے کی دلیل ہیں۔ اعمال خواہ قوموں کے ہوں یا افراد کے' یہ ایک مستند ذریعہ ہیں جو حسب ونسب کے سوا بھی فرد یا قوم کو اعلیٰ درجہ تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے یہ بات کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کسی مقام و مرتبہ یا درجہ کو پانے کے لئے اعلیٰ حسب ونسل کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

تعارف وتبصرۂ کتب

''تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نام کتاب : میرے حضرت میرے شیخ
مصنف : مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت : 260 صفحات
قیمت : 90 روپے
شائع کردہ: : القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہؓ' خالق آباد' نوشہرہ' صوبہ سرحد
ملنے کا پتہ : صدیقیہ کتب خانہ' مہاجر بازار' اکوڑہ خٹک' ضلع نوشہرہ

کہنے کو تو مولانا عبدالحق حقانی برصغیر کے ایک مشہور ومعروف عالم دین تھے' مگر ذرا عمیق نظر سے دیکھا جائے تو وہ علمائے حق کے سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہمہ صفت موصوف انسان تھے جنہوں نے وقت کی عظیم شخصیات سے علمی استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں سید حسین احمد مدنی' مولانا اعزاز علی' علامہ ابراہیم بلیاوی' مولانا رسول خان' مولانا اصغر حسین' مولانا مرتضیٰ حسن' مولانا عبدالسمیع اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہم معروف نام ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے تحصیل علوم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں اکوڑہ خٹک میں دینی مدرسے کی بنیاد ڈالی جو آج اسلامی دنیا کا ایک معروف دینی ادارہ ہے جہاں مختلف ممالک سے علم دین کے حصول کے لئے طلبہ آتے ہیں اور علوم اسلامیہ سے مالا مال ہوکر دین کی نشر و اشاعت کا جذبہ لے کر واپس لوٹتے ہیں۔ اس ادارے کا نام دارالعلوم حقانیہ ہے۔

مولانا عبدالحق حقانی کے ہزاروں شاگرد برصغیر کے دینی مدارس میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ان کے چند مشہور تلامذہ میں مولانا اسعد مدنی' مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند' مولانا مفتی ولی حسن' مولانا سلیم اللہ خان' مولانا عبیداللہ انور' مولانا حامد میاں' مولانا فضل الرحمٰن' مولانا سمیع الحق' مولانا عبدالستار تونسوی' مولانا خان محمد کندیاں' مولوی یونس خالص' مولانا جلال الدین حقانی

اور مولانا فتح اللہ شہید شامل ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب مولانا کے ایک ہونہار شاگرد مولانا عبدالقیوم حقانی کی تالیف ہے جو اپنے شیخ کے منظور نظر تھے اور جن کے شب و روز اکثر اپنے شیخ کی صحبت میں بسر ہوتے۔ وہ خلوت و جلوت اور سفر و حضر میں اپنے مربی اور محسن کے ساتھ رہے۔ وہ اپنے حضرت کے مزاج شناس اور محرم اسرار تھے۔ اسی لئے کتاب کے مندرجات اکثر و بیشتر مولف کے مشاہدات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مستند ہیں۔

مولانا عبدالحق حقانی نے ۴۵ سال حدیث پڑھائی۔ حدیث کے ساتھ اس گہری وابستگی کے نتیجہ میں اپنے نام کی بجائے شیخ الحدیث کے نام سے ہی معروف ہوئے۔ مولانا صرف ایک اچھے مدرس ہی نہ تھے بلکہ ان کی شخصیت مجموعہ صفات تھی۔ وہ صاحب بصیرت اور متقی انسان تھے جنہیں دین حق کی تعلیم و تبلیغ سے گہری دلچسپی تھی۔ آپ اپنے علاقے کی پسندیدہ شخصیت تھے۔ علوم دین کی ترویج و اشاعت کی ہمہ وقتی مصروفیت کے باوجود ملک کی سیاسی حالت پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ تین مرتبہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور بھرپور دلچسپی لے کر نفاذ شریعت کے لئے آواز اٹھائی۔ شریعت محاذ عمل میں آیا تو آپ اس کے صدر مقرر ہوئے۔ بھرپور زندگی گزارنے والا یہ مردِ مومن ستمبر ۱۹۸۸ء میں ۷۵ سال کی عمر میں خالق حقیقی سے جاملا۔

اس کتاب میں مصنف نے شیخ الحدیث کی زندگی بھر کے معمولات اور کارنامے نہایت احسن انداز میں بیان کئے ہیں جو قارئین کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گے اور دین کا کام کرنے والوں کو صبر و ثبات کی تلقین کے ساتھ ساتھ نمونہ بھی پیش کریں گے۔

کتاب کا ٹائٹل اور جلد شایان شان ہے۔ کمپوزنگ معیاری' مواد مستند اور انداز تحریر دلکش ہے۔

☆ ☆ ☆

اعتـــــــذار

ماہنامہ حکمت قرآن کے فروری ۲۰۰۲ء کے شمارہ میں ''شوق حرم'' پر تبصرہ شائع ہوا' جس میں سہواً لکھا گیا کہ لفظ ''مَکّہ'' قرآن مجید میں موجود نہیں بلکہ صرف ''بکّہ'' ہے' حالانکہ سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۲۴ میں لفظ مَکّہ موجود ہے۔ اس غلطی پر تبصرہ نگار معذرت خواہ ہے۔

اور اس کی زبان کی تدریس وترویج میں ہمہ تن مصروف ومنہمک ایک ایسے عالم دین کا قتل جو فرقہ وارانہ سرگرمیوں سے کوسوں دور ہو خوف وہراس اور بے چینی کی اس فضا کو کئی گنا زیادہ آلودہ اور دبیز کرنے کا موجب ہے جو پہلے ہی وطن عزیز کو شدید طور پر مکدر کئے ہوئے ہے۔ اس نوع کی دہشت گردی اس تاثر کو جنم دیتی ہے کہ پاکستان میں کوئی شخص محفوظ نہیں ہے خواہ وہ کسی انتہا پسند تنظیم سے تعلق رکھتا ہو اور خواہ وہ کسی فاختہ کی طرح معصوم اور بے ضرر ہو۔ بہرحال حکومت اپنے تمام تر بلند بانگ دعوؤں کے باوجود دہشت گردی کی روک تھام اور امن عامہ کے قیام میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔

کارپردازان حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مجرموں کا سراغ لگا کر انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں۔ حکومت وقت اور بالخصوص وزارت داخلہ کا موجودہ رویہ ہرگز قابل اطمینان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ انہیں چاہئے کہ وہ دینی جماعتوں کو مطعون کرنے اور ان کے قائدین کو پابند سلاسل کرنے کی بجائے امن نافذ کرنے والے اداروں کی کارکردگی کو بہتر بنائیں اور اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کی خاطر دینی طبقات کو الزام دینے سے گریز کریں۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ یہاں مذہبی فرقہ واریت کی آڑ میں دہشت گردی کا کھیل دراصل عالمی اسلام دشمن طاقتیں کھیل رہی ہیں جن میں را اور موساد سرفہرست ہیں۔ ہمارے نزدیک اسلام آباد میں چرچ پر دہشت گردانہ حملے کے واقعے میں امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے ملوث ہونے کے امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ جو پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکی مداخلت اور عمل دخل کو مزید موثر بنانے کے لئے کوشاں ہے۔ ان کی یہ خواہش بالکل عیاں ہے کہ ایف بی آئی کا عمل دخل پاکستان میں ہر ادارے اور ہر سطح پر ہو اور اس معاملے میں انہیں Free Hand دیا جائے۔ چنانچہ اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے دہشت گردی اور تخریب کاری کے ذریعے حالات کو موافق بنانا ایسی ایجنسیوں کا پرانا شعار ہے۔

ہم حکومت پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ کسی بیرونی دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ملک وقوم کے مفاد میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی سعی کرے۔ پاکستان کو امریکہ اور بھارت کا تابع مہمل بنا دینا اور اس کے اسلامی تشخص کو مٹا کر ملک کو خالص سیکولر سٹیٹ بنانے کی کوشش ہرگز ملک وقوم کے مفاد میں نہیں ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے استحکام ہی نہیں بقا کا دارومدار بھی قطعی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے ساتھ اخلاص ووفاداری پر ہے۔ جس کا عملی اظہار ملک میں نظام خلافت یعنی خلافت راشدہ کے طرز کے نظام کے قیام کی بھرپور جدوجہد سے عبارت ہے۔ اس کے بغیر یہ ملک اس بے لنگر کے جہاز کی مانند ہے جس کا مقدر مسلسل سنگین بحران سے دوچار رہنا اور مہیب گرداب میں پھنسے رہنا ہے اور جو کسی بھی لمحے اٹھتی ہوئی لہروں میں چھپی کسی نوکیلی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوسکتا ہے۔ ع ہم نیک وبد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں oo